ہر اتوار کو روزنامہ اسلام کے ساتھ شائع ہوتا ہے
اتوار ۱۷ شعبان المعظم ۱۴۴۶ھ مطابق ۱۶ فروری ۲۰۲۵ء
۱۱۷۴

بچوں کا اسلام

پاکستان کا سب سے زیادہ شائع ہونے والا بچوں کا مقبول ترین ہفت روزہ

کہانی کی واپسی

قیمت: ۴۰ روپے

aci
Blood Bgone
Blood Stain Remover
خون کے دھبے مٹانے کا واحد اسٹین ریموور
Imtiaz پر دستیاب ہے
LADIES WEAR | CLOTHING | BEDSHEETS | CARPETS / SOFA

القرآن

زوالِ نعمت سے پناہ مانگنی چاہیے!

اور اُس کے میووں کو عذاب نے آگھیرا اور وہ اپنی چھتریوں پر گر کر رہ گیا تو جو مال اُس نے اس پر خرچ کیا تھا، اُس پر (حسرت سے) ہاتھ ملنے لگا اور کہنے لگا کہ کاش! میں اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناتا۔ (اس وقت) اللہ کے سوا کوئی جماعت اُس کی مددگار نہ ہوئی اور نہ وہ بدلہ لے سکا۔

(سورۃ الکہف، آیات: 42 تا 43)

الحدیث

لاحَوْل جنت کا خزانہ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم اپنے اوپر نرمی کرو اور پست آواز میں اللہ کی تکبیر و تسبیح بیان کیا کرو، تم ایسی ذات کو پکارتے ہو جو بہت قریب سے سننے والی اور دیکھنے والی ہے، پھر آپ میرے قریب تشریف لائے تو میں زیر لب لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَاِلَّابِاللّٰہ کا ورد کر رہا تھا۔ آپ نے مجھ سے فرمایا: اے عبداللہ بن قیس (ابوموسیٰ اشعری کا اصلی نام) یہ مبارک ورد کرتے رہو، یہ جنت کے خزانوں میں سے ایک عظیم خزانہ ہے۔ (بخاری)

دستک

ہمارے تین سب سے بڑے محسنین!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

بھائی علی محمد لغاری نے اپنے دادا جان کا ایک بہت خوبصورت معمول لکھ کر بھیجا تو ہمیں بہت اچھا لگا۔ وہ تو آپ اگلے شماروں میں پڑھ ہی لیں گے، ابھی سردست یہ بتائیے کہ کیا آپ جانتے ہیں کہ اللہ رب العزت اور اس کے رسول حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد میرا اور آپ کا ہم سب کا سب سے بڑا محسن کون ہے؟

اور ایک نہیں تین سب سے بڑے محسن!

ایک وہ نامعلوم داعی (اللہ تعالیٰ اسے اپنا خاص قرب عطا فرمائے) جس نے ہمارے جدامجد کو اسلام کی دعوت دی۔

اور پھر ہمارا وہ جدامجد (اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو نور سے بھر دیں) جو ہماری پچھلی تمام پشتوں میں سب سے سنہری اور خوش نصیب کڑی تھی جس نے اِس دعوت کو قبول کر لیا!

محترم سادات کے سوا باقی سب کے یہ دونوں بہت بڑے محسن ہیں کہ انہی کی وجہ سے کوئی اور مذہب ہماری پشتینی زنجیر سے کٹا اور الحمدللہ اسلام جڑ گیا اور یوں ہم آج بنا کسی بڑی آزمائش کے مسلمان ہیں!

اور پھر تیسرا ہمارا وہ محسن؛ (اللہ تعالیٰ اس پر اپنی خاص رحمت فرمائیں) جو ہمارے لیے شعوری اسلام لانے کا باعث بنا۔

جی ہاں! جس کی تحریر، تقریر یا کسی مہکتے عمل کی وجہ سے ہمیں اسلام نہ صرف اپنے وجدانی احساس کے ساتھ محسوس ہوا بلکہ شعوری طور پر بھی ہم نے اسے قبول کیا۔

ابتدائی دو محسنین تو خیر ہم میں سے ننانوے فیصد کے لیے نامعلوم ہوں گے، ایک فیصد ہی وہ دوست کہ جن کا شجرہ محفوظ ہے انھیں ہی اُن کی بابت معلوم ہوگا لیکن تیسرا محسن تو شاید سبھی کو معلوم ہو۔

بہرحال غور کیجیے گا کہ سچ مچ یہ تینوں درجہ بدرجہ ہمارے بہت بڑے محسن ہیں جو ہمیں نہیں جانتے تھے مگر ہمارے لیے اتنی بڑی نعمت کا باعث بن گئے۔

کیا آپ نے اُن کے بارے میں کبھی سوچا کبھی انھیں یاد کیا ہے؟

اگر سوچا ہے تو کیا آپ اپنے اِن تینوں حقیقی محسنوں کی قدردانی کرتے ہیں؟

اُن کے لیے دعا کی صورت، اُن کے لیے طواف، عمرہ، قربانی یا ایصال ثواب کی کسی بھی اور صورت؟

اگر نہیں تو آج سے انھیں اپنی دعاؤں اور ایصال ثواب میں یاد رکھیے۔

والسلام

محمد فیصل شہزاد

ابوالحسن

جواہرات سے قیمتی

۱...... ”جو لوگ میانہ روی اختیار کرتے ہیں، کسی کے محتاج نہیں ہوتے۔“ (نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

۲...... ”جب خلقت کے پاس آؤ تو زبان کی نگہداشت کرو۔“ (حضرت لقمان علیہ السلام)

۳...... ”جو علم کو دنیا کمانے کے لیے حاصل کرتا ہے علم اس کے قلب میں جگہ نہیں پاتا۔“ (امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ)

۴...... ”بعض اوقات اللہ کا بندے کی درخواست کو قبول نہ کرنا بندے پر شفقت کی وجہ سے ہوتا ہے۔“ (شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ)

۵...... ”اللہ تعالیٰ نے اشیاء کی حقیقت کا علم تم سے چھپا لیا ہے، اس لیے کوئی چیز تمھیں اچھی لگے یا نہ لگے، اس کے خلاف نہ کہو۔“ (ایضاً)

٦...... ملنے کے صرف دو ہی معیار ہوتے ہیں، خون ملتا ہو، یا خیالات ملتے ہو۔

۷...... باہمت ہے وہ شخص جو اپنے اوپر آنے والی مصیبت کا دوسروں کے سامنے اظہار نہیں کرتا۔

۸...... دوسروں سے ہمدردی کی توقع رکھنے کی بجائے دوسروں کا ہمدرد بننے کی کوشش کرو۔

۹...... جسے دوسروں کی تکلیفوں کو سہنا آ گیا، سمجھو اس نے اپنی زندگی بہتر بنا لی۔

۱۰...... خوبیاں اور خامیاں ہر انسان میں ہوتی ہیں، دانشمندی یہ ہے کہ لوگوں کے اندر خوبیاں تلاش کی جائیں اور برائیوں پر پردہ ڈالا جائے۔

☆☆☆

امجد جاوید

بچوں والی چڑیا

میں ایک خوش الحان چڑیا تھی جس کی آواز کو پسند کیا جاتا تھا۔ دوسرے پرندوں کی مانند میں بھی ہواؤں میں اڑتی، دانا دنکا چگتی اور واپس اپنے گھونسلے میں آ جایا کرتی تھی۔ میرا گھونسلہ ایک درخت پر تھا جو ایک راہ گزر کے قریب تھا۔

وقت گزرنے کے ساتھ میں نے انڈے دیے اور ان میں سے میرے دو بچے نکل آئے۔ ہر ذی روح کو اپنے بچوں کے ساتھ فطری محبت ہوتی ہے، مجھے بھی اپنے بچوں سے بے حد محبت تھی۔

ایک دن جب میں اپنے گھونسلے سے ذرا دور فضا میں اڑتی ہوئی زمین پر اپنا رزق تلاش کر رہی تھی کہ اچانک دور ایک قافلہ مجھے اپنے درخت کے پاس اسے گزرتا نظر آیا۔ میں خوف زدہ ہوگئی کہ میرے بچے گھونسلے میں ہیں، کہیں کوئی انھیں نقصان نہ پہنچا دے۔

میں تیزی سے اپنے گھونسلے کی طرف بڑھی، اور پھر وہی ہوا جس کا مجھے ڈر تھا۔ میں گھونسلے میں پہنچی تو یہ دیکھ کر میرا ننھا سا دل دھک سے رہ گیا کہ میرے بچے گھونسلے میں نہیں تھے۔ میں تڑپ اٹھی اور بے قرار اِدھر اُدھر اڑتی پھری کہ دیکھوں میرے بچے کہاں ہیں؟

تھوڑی ہی دیر بعد مجھے پتا چل گیا کہ میرے بچے اسی قافلے کے لوگوں کے پاس ہیں۔

اب میں ان سے اپنے بچے کیسے واپس لوں؟ میں تو بے چاری ایک کمزور سی ننھی چڑیا تھی، اُن انسانوں کا مقابلہ کیسے کروں؟ لیکن میں کتنی ہی کمزور سہی میری بے چین ممتا مجھے بہادر بنا رہی تھی کہ میں کسی بھی طرح ان سے اپنے بچے واپس لوں۔ میں چیختی چلاتی کبھی اُڑ کر ایک طرف جاتی اور کبھی دوسری جانب۔ میرا پرسان حال کوئی بھی نہیں تھا۔

اچانک میں نے دیکھا کہ اسی قافلے میں ایک روشن چہرے والی حسین وجمیل ہستی موجود ہے۔ جن کا روشن چہرہ دیکھتے ہی سکون ملتا تھا۔ ان کا دلکش نورانی چہرہ دیکھتے ہی جیسے میرے اندر ایک اطمینان اتر گیا اور مجھے لگا کہ اگر میں ان کے پاس جاؤں تو میری مدد ہو سکتی ہے۔

میں اُڑتی ہوئی گئی اور سیدھی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں جا کر گر گئی۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی توجہ میری طرف فرمائی تو میں نے اپنی بپتا انھیں بیان کی کہ آپ کے قافلے کے لوگوں نے میرے بچے گھونسلے سے اٹھا لیے ہیں۔

میری عرضی سن کر انھوں نے قافلے کے لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا:

’’کس نے اس چڑیا کو اس کے بچوں کی وجہ سے تکلیف دی ہے؟‘‘

یہ سننا تھا کہ آپ کے ایک صحابی آگے بڑھے۔ آپ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، انھوں نے عرض کیا:

’’ہم نے۔‘‘

اس پر نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

’’اِس کے بچے اسے لوٹا دو۔‘‘

سو اس روشن چہرے والے نبی رحمت کی رحمت کے باعث مجھ پر بھی کرم ہو گیا۔

جن اصحاب نے میرے بچے گھونسلے سے اٹھائے تھے، انھوں نے میرے دونوں بچے جہاں سے لیے تھے وہیں رکھ دیے۔ میری ممتا کو قرار آ گیا۔

(اخرجه البهيقي في دلائل النبوة، 321.1)

☆☆☆

آرضِ مقدس

بنت مسعود احمد۔ کراچی

بچو! سن لو آؤ قصہ
ارضِ مقدس جو ہے ہماری
تھا جہاں اسلام کا غلبہ
مکتب منبر تکبیریں تھیں
تھا عمر نے جس کو سنوارا
عثمانی جب دور تھا بچو!
دشمن تھے لٹ پٹ کر آئے
تیر چھپے اُن کے دامن میں
چھینا جھپٹا لوٹا مارا
ناجائز ہے ان کا قبضہ
چالاکی تھی یہ دشمن کی
دشمن لایا بم بندوقیں
ہے فلسطین کی جرات
ڈرتے ہیں نہ جھکتے ہیں وہ
جان لٹا کر راہ خدا میں
رب کی خاطر وہ جیتے ہیں
آزادی اقصیٰ کی پائیں
حق میں کر لو ان کی، دعائیں

برکت رحمت کا ہے جلوہ
مسجد اقصیٰ اوّل قبلہ
اب ہے وہاں صیہونی قبضہ
اور اسلامی تعمیریں تھیں
ایوبی نے اس کو نکھارا
اپنا سب کچھ اس پر وارا
رہنے کو گھر مل جائے
آگ لگی تھی پھر گلشن میں
ظلمت نے تھا ڈیرہ ڈالا
چھینا ہم سے گنبد صخرہ
پامالی کی اس نے امن کی
پتھر تھے ان کے ہاتھوں میں
لڑتے ہیں وہ سب باہمت
پاتے ہیں وہ رب کی نصرت
بدلے میں پائیں وہ جنت
رب کی خاطر وہ مرتے ہیں
آسانی کے یہ در کھل جائیں
گزاریں مشکل کی یہ گھڑیاں

خط کتابت کا پتا: دفتر روزنامہ اسلام، ناظم آباد، کراچی bkislam4u@gmail.com, 021 366 099 83

ادارہ روزنامہ اسلام کی تحریری اجازت کے بغیر بچوں کا اسلام کی کوئی تحریر کہیں شائع نہیں کی جاسکتی۔ بصورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کرنے کا حق رکھتا ہے۔

سالانہ زرتعاون: اندرون ملک 2000 روپے بیرون ملک ایک میگزین 25000 روپے دو میگزین 28000 روپے انٹرنیٹ: www.dailyislam.pk

کہانی کی واپسی

قاسم بن نظر

جمیل میاں اپنے خون میں شاعری کے جراثیم پائے جانے کا بلند و بانگ دعویٰ کرتے تھے۔ ان دعووٗں کو سن سن کر ہم نے جمیل کو اپنی ایک عدد کہانی ''بہادر گیدڑ اور مریل ہاتھی کی لڑائی'' تبصرے کے لیے دے دی تھی اور یوں ہم نے اپنی بے وقوفی اور نادانی کے پروانے پر مہر ثبت کر دی تھی۔ ہم آڑے ہاتھوں جمیل کا شکار بن چکے تھے مگر اب وقت آ گیا تھا کہ جمیل کے پیٹ سے اپنی کہانی اُگلوائیں جس پر وہ قبضہ جما کے بیٹھ گیا تھا۔

جمیل کے گھر جب ہم پہنچے تو جمیل اس وقت کوئی نظم لکھنے میں مصروف تھا۔ ہم نے تلخی سے مسکرا کر پوچھا: ''بھئی جمیل! تم کیا لکھ رہے ہو۔''

جمیل نے دونوں کلے پھلا کر کہا ''میں ایک آزاد نظم لکھ رہا ہوں۔''

''واہ میری کہانی قید کر کے آزاد نظم لکھ رہا ہے!؟''

میں نے دل ہی دل میں سوچا۔

جمیل ہمیں دیکھ کر نجانے کیوں خوشی سے پھولے نہیں سما رہا تھا۔ اس کا اظہار اُس نے اس سوال میں کیا۔

''تم یقیناً میری نئی نظم سننے آئے ہو گے؟''

یہ سوال سن کر ہمارا خون جوشاندے کی طرح کھولا تھا۔ دل تو چاہا کہ اس کو جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر اس کا ضمیر جگاؤں اور چلا چلا کر دنیا والوں کو بتاؤں کہ ہم اس کے پاس اپنی ایک کہانی لینے آئے ہیں اور یہ پوچھتا ہے کہ نظم سنو گے۔ ہم ادب کے میدان میں با ادب رہنا چاہتے تھے اور یہ نثر اور نظم کی لڑائی کروانے پر تلا ہوا تھا۔

چونکہ ہمارے پاس پانی اور خون کی طرح وقت کی بھی کمی تھی، لہٰذا ہم پانی پت کی لڑائی سے پرہیز کر کے مطلب کی طرف آئے۔

''جمیل! شاید تمھیں یاد ہو گا کہ میں نے اپنی ایک کہانی تمھیں اس لیے دی تھی کہ تم اس پر اپنی رائے قائم کرو اور مجھے تبصرے کے ساتھ واپس لوٹا دو۔''

جمیل نے کہنا شروع کیا اور ہم نے سننا شروع کر دیا:

''بھئی مجھے تو کہانی کے عنوان سے ہی اختلاف تھا۔ کیا عنوان تھا اس کہانی کا؟''

ہم نے جلدی سے کہا: ''بہادر گیدڑ اور مریل ہاتھی کی لڑائی۔''

جمیل نے کہا ''ہاں! بھئی کیا تم بچوں کو لڑائی جھگڑے سے دور نہیں رکھ سکتے؟''

یہ سن کر ہمارے کان کھڑے ہو گئے اور ہم بھی۔ جمیل کہتا رہا اور ہم سنتے رہے۔

''بھئی بچوں کے لیے اس طرح کی بھی کہانیاں لکھی جا سکتی ہیں کہ کتے اور بلی کی دوستی، امن پسند بھیڑیا، بکری نے شیر کو سبق سکھایا وغیرہ وغیرہ۔ اب تم لے کر بھی آئے تو کیا؟ گیدڑ اور ہاتھی کی لڑائی۔''

ہم نے سر پیٹ کر کہا: ''اچھا بابا غلطی ہو گئی۔ آئندہ میں امن پسند بھیڑیے پر کہانی لکھ کر بھیج دوں گا مگر اب تم مجھے میری کہانی واپس کر دو۔''

جمیل نے اطمینان سے کہا: ''میں یہ نہیں کہہ رہا کہ تم لڑائی پر مت لکھو۔ تم لکھو مگر گیدڑ اور ہاتھی کی لڑائی؟ وہ بھی گیدڑ بہادر اور ہاتھی مریل! آخر حقیقت بھی کوئی چیز ہے۔''

لیجیے...... پل میں تولہ پل میں ماشہ۔ ہم نے صبر کے پیمانے کو انڈر کنٹرول رکھ کر کہا:

''مثلاً تم کس لڑائی کی بابت کہنا چاہ رہے ہو۔''

جمیل نے کہا: ''بھئی جیسے امی اور ابو کی لڑائی۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو ہر گھر میں پائی جاتی ہے خصوصاً اس گھر میں جس میں بچے ہوں۔ اب اسی موضوع پر میں نے ایک نظم بھی لکھی ہے۔''

ہم نے ہاتھ پاؤں جوڑ کر کہا: ''بہت خوب! تم نے بہت اچھا کیا جو امی ابو کے درمیان ہونے والی سنگین لڑائی کو منظر عام پر لانے کا بیڑا اُٹھایا، لیکن اب میں انتظار کی حدیں پار کرنے والا ہوں۔ تم مجھے میری کہانی واپس کر دو۔''

جمیل بولا: ''تم نے مجھے اپنی کہانی تبصرے کے لیے دی تو کیا تمھارا اتنا بھی حق نہیں بنتا کہ میں تم سے اپنی نظم پر تبصرہ کراؤں؟''

ہم روہانسے ہو کر بولے: ''نہ بنتا ہو تو نہ بنے اور اگر میں نے تمھیں اپنی کہانی پر تبصرہ لکھنے کو غلطی سے دے ہی دیا تھا تو میں اتنا سنگ دل بھی نہیں کہ زبردستی تمھاری نظم پر تبصرہ کروں۔''

جمیل بولا: ''زبردستی کون تبصرہ لکھوا رہا ہے میں تو کہہ رہا ہوں کہ تم میری نظم پر دل کھول کر تنقید کرنا اور خوشی سے کرنا اب بھائی بندی میں اتنا بھی نہیں کرو گے؟''

''نہیں بھائی میں حقیر سا آدمی ہوں میں کہاں تم جیسے عظیم شاعر کی شاعری پر تنقید کر سکتا ہوں!''

ہم تو اس کے پاؤں پڑنے کو تھے اور وہ ہمارا گلا پکڑنے پر آ گیا۔

جمیل بولا: ''بس اب سن بھی لو کہ میں نے کیا نظم لکھی ہے۔''

جمیل نے اصرار کیا اور ہمیں جمیل کا اصرار مجبوراً ماننا پڑا۔

صدقۂ جاریہ

جامعۃ الرشید

زیر تعلیم طلبہ کرام کے

ماہانہ اخراجات اپنے ذمہ لیجئے

ایک طالب علم کا ماہانہ خرچ 20,000 روپے

دو طلبہ کرام کا ماہانہ خرچ 40,000 روپے

پانچ طلبہ کرام کا ماہانہ خرچ 100,000 روپے

دس طلبہ کرام کا ماہانہ خرچ 200,000 روپے

https://jtr.edu.pk/donate

0322 2000 644

جمیل نے لہک لہک کر نظم سنانی شروع کی۔

امی ابو لڑتے ہیں......لڑتے ہیں بھئی لڑتے ہیں
بات بات پہ لڑتے ہیں......لڑتے ہیں بھئی لڑتے ہیں
بچے ہو جائیں جو فیل......ہر سبجیکٹ میں زیرو لے کے
دونوں غصہ کرتے ہیں......لڑتے ہیں بھئی لڑتے ہیں
غصہ دونوں کرتے ہیں......بات بات پہ لڑتے ہیں
دونوں خوب اکڑتے ہیں......لڑتے ہیں بھئی لڑتے ہیں
زور زور سے لڑتے ہیں......چیختے ہیں چلاتے ہیں
گھر کی چیزیں توڑتے ہیں......لڑتے ہیں بھئی لڑتے ہیں‘‘

ہم نے قطع کلامی کر کے کہا:

’’تم اپنی اس نظم سے گھر کو جنگ کا میدان ثابت کرنا چاہ رہے ہو۔‘‘

جمیل افسوس بھرے لہجے میں بولا۔

’’میں تو حقیقت بیان کر رہا ہوں۔‘‘

اف! وہ تو حقیقت کے پیچھے منہ ہاتھ دھو کر پڑ گیا تھا۔

وہ مسلسل بولے جا رہا تھا:

’’امی میکے جاتی ہیں......ابو منہ بناتے ہیں
بچوں پر گرجتے ہیں......لڑتے ہیں بھئی لڑتے ہیں‘‘

نظم پوری ہوئی تو جمیل نے ایک ٹھنڈا سانس لے کر کہا:

’’اب تم بتاؤ کہ تمھاری اِس نظم کے بارے میں کیا رائے ہے؟‘‘

ہم نے کہا: ’’لگتا ہے کہ بچے اس نظم کو چھم چھم کھیلتے ہوئے کورس کے انداز میں پڑھیں گے۔‘‘

جمیل نے کہا ’’چونکہ میں نے تمھیں بھرپور تنقید کرنے کی اجازت دی تھی پھر بھی تم نے ایک جملے کی تنقید کر کے مجھے طیش میں آنے سے بچا لیا۔‘‘

ہم تپ کر بولے: ’’اب تو میری کہانی واپس کر دو۔‘‘

جمیل بولا ’’ارے یہ کیا، میں نے تو تمھاری کہانی کے پیچھے ہی اپنی نظم لکھ ڈالی۔‘‘

یہ سننا تھا کہ ہم نے چیل کی طرح اپنی کہانی پر جھپٹا مارا اور یہ جا وہ جا۔

جب تک ہم جمیل کے گھر کی حدود سے باہر نہ نکل گئے، جمیل کی آوازیں ہمارا پیچھا کرتی رہیں: ’’میری نظم تو دیتے جاؤ۔ میری نظم تو دیتے جاؤ۔‘‘

☆☆☆

بے ساختہ

ایک دن بارش ہو رہی تھی۔ بھابی اور سحر بارش میں نہا رہی تھیں۔ سحر نے اوپر دیکھا آسمان پر بادل تیزی سے جا رہے تھے۔ سحر حیرت سے بولی: ’’بھابی! مجھے تو ایسے لگ رہا ہے۔ بادل موٹر سائیکل پر جا رہے ہیں۔‘‘

میں اپنے پہلے خط کی سطریں گن رہی تھی۔ اتنے میں اذان ہونے لگی۔ اب میں اذان کا جواب دیتے ہوئے سطریں گننے لگی۔

خط کی پانچ سطور تھیں تو میں نے گنتی کے بجائے پانچ بار اللہ اکبر کہہ دیا۔

ایک دن ہم نے تندور سے روٹیاں پکوائیں۔ امی جی نے کہا: روٹیاں گنو کتنی ہیں؟

میں نے روٹیوں کو کچھ یوں گنا: 0305678910

(بریرہ بتول زہرہ بنت لطف اللہ رحمانی۔ راجن پور)

ہمّت کا پہاڑ ۵۱

راوی: سیہان انعام اللہ خان مرحوم   تحریر: رشید احمد منیب

رپورٹر بتا رہی تھی کہ یہ انڈین ہیں۔ اس خبر کے عام ہونے کے بعد ٹورنامنٹ کی انتظامیہ نے انڈین ٹیم کی شرکت پر پابندی عائد کردی۔ بہت مشکل سے ان کی گلو خلاصی ہوئی۔ میں حتی الامکان ان کی نظروں سے بچ رہا تھا۔ بعد میں جب انھوں نے مجھے دیکھ لیا تو سمجھ گئے کہ اسی نے ہمیں پھنسوایا ہے لیکن اب تو وہ مجھ پر بس غصہ ہی کر سکتے تھے۔

☆☆

شرارتیں میری سانسوں کی طرح ہیں، یہ کبھی ختم نہیں ہوتیں۔ لڑائیوں اور شرارتوں کا سلسلہ بچپن سے شروع ہوا تھا اور بڑھاپے تک چلتا رہا۔ میں خاص طور پر اس شخص کے ساتھ شرارت کرتا ہوں یا سامنے کھڑا ہو جاتا ہوں جو کمزوروں کو دبانے کی کوشش کرتا ہے۔ مرد تو وہی ہے جو اپنے برابر والے کے ساتھ یا اپنے سے برتر کے ساتھ ٹکر لے یا پھر دل بڑا کر کے دوسروں کو معاف کردے۔ ضروری نہیں کہ جو معاف کردے، وہ بزدل ہی ہو۔ بہت سے لوگ بہت بہادر ہوتے ہیں لیکن دل کے نرم ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ کم ہوتے ہیں لیکن جہاں بھی ہوتے ہیں وہ کیچڑ ہو یا جھیل، کنول کی طرح کھلے رہتے ہیں۔ میں لوگوں کو معاف کردیتا ہوں لیکن ہر جگہ نہیں، جہاں موقع ملتا ہے شرارت ضرور کرتا ہوں، پھر اس کے بعد لڑائی بھی ہو جائے تو کیا کہنے! بھارتیوں کے ساتھ مجھے بہت دلچسپی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے ایک ہی زمین کا پانی پیا ہے لیکن اس زمین کے ہر ٹکڑے کا بیج الگ ہے۔ پاکستان مہمان نواز لوگوں کا ملک ہے لیکن زیادہ تر بھارتی بڑے دل کے نہیں ہوتے۔ دنیا کے مختلف ملکوں میں میرا بھارتیوں کے ساتھ کسی نہ کسی طرح ٹاکرا ہوتا رہا ہے۔ وہ اپنی بغل میں چھری لے کر گھومتے ہیں اور ہمیشہ پاکستان کو دبانے کی فکر میں رہتے ہیں۔ اگر ہم بڑے ملک کے ہوتے تو پروا نہیں تھی لیکن ان کے پاس کافی تیز دھار کی چھری ہے۔ اس لیے ہمیں بھی چوکنا رہنا پڑتا ہے۔

ایک مرتبہ میں ٹیم کے ساتھ سنگاپور سے کوالالمپور کا سفر کر رہا تھا۔ ٹرین کے جس ڈبے ہم تھے، اسی میں انڈین کراٹے ٹیم بھی تھی۔ ہم سب ایک دوسرے سے واقف تھے۔ انڈین ٹیم کا چیف کافی اکھڑ مزاج کا ہتھ چھٹ قسم کا بندہ تھا۔ وہ کسی سے سیدھے منہ بات نہیں کرتا تھا۔ کبھی کبھار کسی انٹرنیشنل پروگرام میں ہمارا آمنا سامنا ہوتا رہتا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی اس کی تیوری چڑھ جاتی تھی۔ میں جان بوجھ کر اسے چھیڑا کرتا تھا۔ اس دن اتفاق سے ہم ایک ہی ڈبے میں آمنے سامنے آگئے تھے۔ وہ تو گپ شپ نہیں لگانا چاہتا تھا لیکن میں نے اس سے دوستانہ انداز میں بات چیت شروع کردی۔ اس کی ٹیم میں بھی چار ہی لڑکے تھے اور ہم بھی چار ہی تھے۔ ویسے میں اکیلا ہوتا تو اسے زیادہ تنگ کرتا۔ میں نے گپ شپ لگانے کی کوشش کی تو وہ کھڑکی کی طرف منہ کر کے بیٹھ گیا لیکن اس کی ٹیم کے باقی لڑکے اتنے بگڑے ہوئے مزاج کے نہیں تھے، وہ ہم سے ہلکی پھلکی باتیں کرنے لگے۔

میں نے اس کی چڑھی ہوئی ناک دیکھی تو فیصلہ کرلیا کہ آج اسے کوئی نہ کوئی سبق سکھانا چاہیے۔ میں وقفے وقفے سے کوئی نہ کوئی بات کرنے لگا۔ اس نے مجھے خبردار کیا کہ میں اس کے منہ نہ لگوں۔ اس وقت ٹرین کھیتوں میں سے گزر رہی تھی۔ کھیتوں میں مختلف قسم کے جانور کھڑے تھے۔ ایک چراگاہ تھی جس میں گائے، بیل، بکریاں وغیرہ چر رہے تھے۔ ایک جگہ دو تین گائے چرتی نظر آئیں۔ وہیں ایک بیل بھی کھڑا تھا جیسے ان گائیوں کی نگرانی کر رہا ہو۔ مجھے شرارت سوجھی۔ میں نے اس سے کہا کہ وہ دیکھو تمھاری گائے ماتا کھڑی ہے۔

اس نے کھڑکی سے باہر جھانکا۔ وہاں اسے گائے نظر آئیں تو اس نے مجھے چڑانے کے لیے دونوں ہاتھ جوڑ کر انھیں پرنام کیا۔ میں یہی تو چاہتا تھا کہ وہ ایسا کرے،

گڈو میاں کا مسئلہ

گڈو میاں جیسے ہی اسکول سے گھر آئے فوراً امی جان کی گود میں گھس گئے اور زور زور سے سسکیاں لیتے ہوئے بولے:

''امی جان! کل سے میں اسکول نہیں جاؤں گا، میرے اسکول میں کوئی بھی مجھے پسند نہیں کرتا، سب میرا مذاق اڑاتے ہیں''۔

''کیا......! کون اڑاتا ہے میرے لال کا مذاق اور کیوں......؟''

امی جان گڈو میاں کے بالوں میں محبت سے انگلیاں پھیرتے ہوئے بولیں، ان کے لہجے میں حیرت تھی۔

''سب لڑکے میرے نام کی وجہ سے میرا مذاق اڑاتے ہیں۔ میرا نام بلال بیگ ہے نا! بس اسی لیے سب مجھے لال بیگ کہتے ہیں۔ آج جب میں کلاس میں داخل ہوا تو عاطف زور سے بولا:

''بلال بیگ...... بلال بیگ...... اتنا بڑا لال بیگ! امی جان! امی جان! کیا میں لال بیگ ہوں؟'' گڈو میاں نے معصومیت بھرے لہجے میں سوالیہ نظروں سے امی جان کی طرف دیکھا۔

''نہیں...... بھلا! میرا بیٹا کیوں ہونے لگا لال بیگ......؟ وہ تو سب ویسے ہی تم سے مذاق کرتے ہیں، چلو! اس مسئلے کا حل نکالتے ہیں''۔

امی جان بولیں اور پھر کچھ ہی دیر میں باورچی خانہ چاکلیٹ، ناریل، مکھن اور بادام کی خوشبو سے مہک رہا تھا۔

آدھے گھنٹے بعد ایک بڑا سا لال کیک تیار تھا۔

''امی جان! یہ کیا ہے؟'' گڈو میاں نے معصومیت سے پوچھا۔

''یہ ہے بلال بیگ کا لال کیک۔'' امی جان مسکراتے ہوئے بولیں، پھر پوچھا: ''یہ بتاؤ تمھاری کلاس میں کتنے بچے ہیں؟''

''تیئس (۲۳)''

''ٹھیک ہے! اس کیک کو ہم اٹھائیس ٹکڑوں میں تقسیم کریں گے۔ ایک ایک تمھاری کلاس کے ہر ہر بچے کے لیے، ایک تمھارے استاد کے لیے۔ کل تمھارے ابو تمھارے استاد کے ساتھ تمام بچوں کو ایک قطار میں کھڑا کر کے بلائیں گے۔ تم اپنے استاد کے ساتھ کھڑے ہو جانا۔ ایک ایک بچہ آتا جائے گا اور کہتا جائے گا:

''بلال بیگ...... بلال بیگ! ہمیں بھی دو لال کیک۔''

پھر تم ایک ایک کیک کا ٹکڑا اٹھا کر ان کے ہاتھ پر رکھ دینا، اور کہنا:

''میں تمھارا دوست بلال بیگ، یہ رہا تمھارا لال کیک!''

امی جان مسکراتے ہوئے بولیں۔

جب کہ گڈو میاں تعجب سے اس لال کیک کو دیکھ رہے تھے جو امی جان نے بڑی ہی محنت سے تیار کیا تھا۔ سب بچوں کو دوست بنانے کا ان کا یہ طریقہ بہت خوب تھا۔

پھر اگلے دن گڈو میاں نے ایسا ہی کیا۔ یوں سب بچے بلال بیگ عرف گڈو میاں کو چڑانا بھول گئے، بلکہ اسے دیکھتے ہی آوازیں لگاتے:

''بلال بیگ...... بلال بیگ...... کب لاؤ گے لال کیک؟''

گڈو میاں ان کی اس بات پر مسکرا کر ان کے مذاق کا حصہ بن جاتا۔ کبھی کبھار رزلٹ آؤٹ ہونے کے دن یا کسی خاص موقعے پر وہ امی جان سے لال کیک بنوا کر لے جاتے۔ یوں ان کا مذاق اڑانے والے ان کے دوست بن گئے۔

☆☆☆

سو جلدی سے بولا: ''صرف گائے کو ہی کیوں پرنام کر رہے ہو؟ وہ ساتھ جو کھڑا ہے وہ تمھارا کچھ نہیں لگتا کیا؟''

اس نے غصے سے مجھے دیکھا۔

میں نے کہا: ''دیکھو! تم نے ماتا جی کو پرنام کیا، ساتھ ہی پتا جی کھڑے ہیں، انھیں نظر انداز کر دیا، یہ کوئی اچھی بات تو نہیں ہے۔''

یہ سن کر اس نے جبڑے بھینچ لیے اور مجھے کینہ توز نظروں سے گھورنے لگا۔

اب سب لڑکے ہماری طرف متوجہ ہو گئے۔ میں نے کہا: ''یار! ناراض کیوں ہو رہے ہو؟ میں تو بس سوال کر رہا ہوں۔''

اس نے کہا: ''تم اپنی زبان بند رکھو۔''

میں نے کہا: ''یار سچ سچ بتاؤ! کیا گائے تمھاری ماتا ہے؟''

اس نے کہا کہ ہاں ہے، پھر؟

میں نے پوچھا: ''تو پھر بیل تمھارا باپ ہوا ناں۔''

اس نے کہا: ''نہیں، وہ باپ نہیں ہے۔''

میں نے کہا: ''یار! عجیب بات ہے۔ مجھے بتاؤ گائے تمھاری ماں ہے تو بیل تمھارا باپ کیوں نہیں ہے؟''

اس نے چلا کر کہا کہ وہ نہیں ہے بس!''

یہ کہتے ہی اس نے یکدم اچھل کر مجھ پر حملہ کر دیا۔

اس نے میرے منہ پر پنچ مارا۔ میں ہوشیار نہ ہوتا تو ایک ڈنٹ پڑ ہی جاتا۔ اس کا پنچ میرے گال کو رگڑتا ہوا نکلا۔ میں نے بیٹھے ہی بیٹھے اس کی ران پر ہلکی سی کک جما کر اسے پیچھے دھکیل دیا، دشمن پر حملہ کرنے میں لطف آتا ہے لیکن اس کے وار کو ناکام بنانے کا مزا ہی کچھ اور ہے۔

اسی لمحے میرے ساتھ بیٹھے شاگرد نے انڈین ٹیم کے دوسرے ممبر کو ایک لات ماری جس سے وہ اپنے ساتھیوں پر الٹ گیا۔

میں نے چیخ کر اپنے ساتھیوں سے پنجابی میں کہا کہ پولیس کیس مت بننے دینا!

اتفاق سے انڈین ٹیم میں بھی ایک پنجابی تھا، اس نے شور مچا دیا۔

''اوئے کوئی ایک دوسرے کے منہ پر نہ مارے ورنہ سارے پھنس جائیں گے!''

مجھے اس کی بات سن کر ہنسی آ گئی۔ سوچا کہ لڑائی روک کر اسے گلے لگاؤں لیکن انڈین ٹیم کا کیپٹن ہر حال میں مجھے مزا چکھانے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ اس نے ایک مرتبہ پھر مجھ پر حملہ کیا۔

شاید اس نے سن لیا تھا کہ میں خود کو پولیس کیس سے بچانا چاہتا ہوں۔ ریل گاڑی کے اس ڈبے میں جگہ کم تھی اور لڑنے والے زیادہ تھے۔ یہاں خود کو بچا کر دوسرے کو اس طرح مارنا کہ پولیس کیس بھی نہ بنے، بڑی ہنرمندی کا کام تھا۔ انڈین ٹیم پانچ لڑکوں پر مشتمل تھی اور ہم چار تھے۔ مجھے یوں لگا کہ انڈین کیپٹن اچھل زیادہ رہا ہے لیکن حملے کم کر رہا ہے۔ میں سمجھ گیا کہ وہ ہمیں مارنے میں جب ناکام ہو گیا ہے تو اب پولیس کیس میں پھنسوانا چاہتا ہے۔

میں مزید محتاط ہو کر لڑنے لگا۔ یہ میرا طریقہ رہا ہے کہ موقع محل کے مطابق لڑتا ہوں۔ اگر بندے کو طبیعت کے ساتھ مزا چکھانا ہو اور پولیس کیس کا خطرہ نہ ہو یا میں اکیلا لڑ رہا ہوں تو چہرے کو نشانہ بناتا ہوں، اگر لڑائی میں بندے زیادہ ہوں، پولیس کا خطرہ ہو، بھاگ نکلنے

کا موقع نہ ہو یا بندے کی ہلکی پھلکی مالش کرنی ہو تو میں چہرے، گردن، سر اور معدے یا جسم کے کسی نازک حصے کو نشانہ نہیں بناتا۔ ٹانگوں، کندھوں اور بازوؤں کو نشانے پر رکھتا ہوں۔

اتنی دیر میں کسی نے پولیس کو بتا دیا اور ریلوے پولیس کے دو تین اہل کار دومنٹ میں ہمارے ڈبے میں داخل ہو گئے۔

اس وقت تک سب لڑکوں کا حلیہ اچھا خاصا خراب ہو گیا تھا۔ ہماری قمیصیں زیادہ پھٹی تھیں لیکن انڈین کو ٹانگوں پر زیادہ ضربیں لگی تھیں۔ وہ بمشکل ہی اپنے قدموں پر کھڑے تھے۔ ہماری حالت اتنی خراب نہیں تھی، لیکن لگتا یہ تھا کہ ہمیں زیادہ مار پڑی ہے۔

ایک پولیس اہلکار ہمارے سروں پر مسلط ہو گیا۔ ان کے انچارج نے بتایا کہ بھاگنے کی کوشش مت کرنا۔ ریل گاڑی اسٹیشن پر پہنچے گی تو تمھیں ریلوے پولیس کے تھانے میں لے جایا جائے گا اور ہنگامہ آرائی کی تفتیش کی جائے گی۔

ہم نے انھیں بتا دیا تھا کہ ہم پاکستان کی مارشل آرٹ ٹیم کے ارکان ہیں اور یہ انڈین ٹیم ہے۔

پولیس اہل کاروں نے کہا کہ ہم اس متعلق کچھ نہیں جانتے۔ آپ کے بارے میں فیصلہ ہمارے ایس، ایچ، او صاحب ہی کریں گے۔

میں حسبِ عادت مطمئن تھا۔ پہلا حملہ میں نے نہیں کیا تھا اِس لیے ہم پر الزام نہ آتا لیکن ٹیم کو بچانے کے طریقے سوچتا رہا۔ آخر یہی سمجھ میں آیا کہ ایس، ایچ، او کو دیکھ کر ہی طے کروں گا کہ کیا کیا جائے؟

(جاری ہے)

☆☆☆

میں جب بھی ناخن تراشتا ہوں

پروفیسر محمد اسلم بیگ

میں حفصہ کے ناخن تراش رہا ہوں۔

ننھی حفصہ میری چھوٹی پوتی ہے۔

مکہ معظّمہ 26 ربیع الثانی 1444ھ مطابق 20، نومبر 2022ء۔ اتوار کا دن ہے۔ ناخن کاٹتے کاٹتے میرے خیالوں میں ستاون برس پہلے کا منظر گھوم جاتا ہے۔

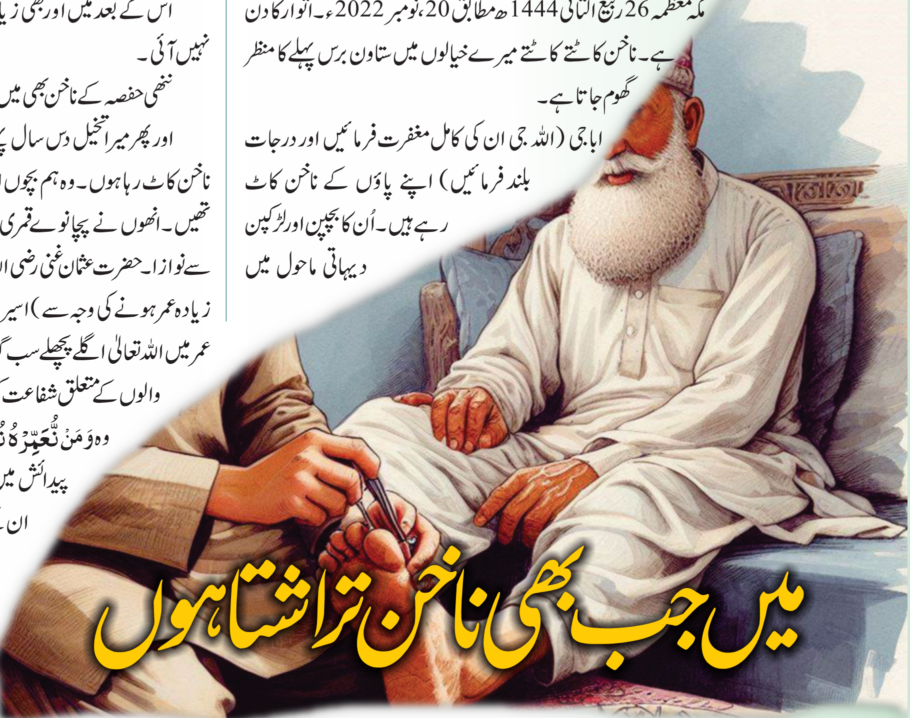

ابا جی (اللہ جی ان کی کامل مغفرت فرمائیں اور درجات بلند فرمائیں) اپنے پاؤں کے ناخن کاٹ رہے ہیں۔ اُن کا بچپن اور لڑکپن دیہاتی ماحول میں گزرا تھا۔ پاؤں کے ناخن سخت تھے جو اس قینچی سے نہیں کاٹے جا سکتے تھے جو ہمارے گھر میں ناخن کاٹنے کے لیے استعمال ہوتی تھی۔ ہماری اماں جی نے ایک کالے رنگ کی بہت خوب صورت قینچی رکھی ہوئی تھی۔ کاغذ، کپڑوں اور دوسروں چیزوں کے ساتھ ساتھ وہ اس قینچی سے اپنے اور ہم سب کے ناخن بھی تراشتی تھیں۔ (الحمدللہ ان کی یہ نشانی اب بھی میرے پاس محفوظ ہے)۔

ان دنوں مرد حضرات اپنے ہاتھوں کے ناخن باہر زلف تراش کی دکان پر ہی کٹوا لیا کرتے تھے کیونکہ یہ بال کٹوانے کے پیکج کا حصہ ہوتا تھا۔

میں جب ابا جی کو ناخن کاٹتے ہوئے دیکھ رہا تھا تو اچانک ان کے انگوٹھے سے خون بہتا ہوا نظر آیا۔ میں نے جلدی سے ڈیٹول لا کر ان کے انگوٹھے پر ٹپکایا۔ دراصل ابا جی کو اپنے کام خود کرنے کا شوق تھا اور وہ پاؤں کے ناخن گھر کے کسی فرد سے نہیں کٹواتے تھے لیکن مسئلہ یہ تھا کہ اس عمر میں آکر ان کے ہاتھوں میں رعشہ ہونا شروع ہو گیا تھا۔ اس وقت وہ چھپن برس کے تھے اور میری عمر سترہ سال تھی۔ یہ ان کے اچانک انتقال سے ایک سال بھر پہلے کی بات ہے۔ خیر میں نے اصرار کر کے انھیں راضی کیا کہ آئندہ آپ کے ناخن میں کاٹوں گا۔ اس وقت نیل کٹر (Nail Cutter) یا تو ہوتا ہی نہیں تھا یا کم از کم ہمارے گھر میں نہیں تھا۔ اس لیے وہ بلیڈ سے اپنے ناخن کاٹتے تھے۔

خون کی مقدار دیکھ کر وہ میری بات ماننے پر مجبور ہو گئے اور اس کے بعد سے میں نے ان کے ناخن کاٹنا شروع کر دیے۔

ابھی یہ سعادت میرے حصے میں آئے تین چار ہفتے ہی گزرے تھے کہ ایک دن مجھ سے بھی بلیڈ کچھ اس زاویے سے چل گیا کہ ان کے پاؤں کا انگوٹھا زخمی ہو گیا۔ خون اب بھی نکلا لیکن کم مقدار میں۔ ابا جی کے منہ سے بے ساختہ انا للہ وانا الیہ راجعون اور پھر الحمدللہ نکلا۔

اس کے بعد میں اور بھی زیادہ احتیاط سے کام لینے لگا اور الحمدللہ دوبارہ ایسی نوبت نہیں آئی۔

ننھی حفصہ کے ناخن بھی میں بہت احتیاط سے کاٹ رہا ہوں۔

اور پھر میرا تخیل دس سال پہلے کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ میں اپنی والدہ مرحومہ کے ناخن کاٹ رہا ہوں۔ وہ ہم بچوں اور پورے خاندان میں 'اماں جی' کے نام سے پکاری جاتی تھیں۔ انھوں نے بچانوے قمری اور بانوے شمسی سال تک ہمیں اپنی دعاؤں اور شفقتوں سے نوازا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی ایک روایت کے مطابق وہ (90 قمری سال سے زیادہ عمر ہونے کی وجہ سے) اسیر اللہ فی الارض (زمین میں اللہ تعالیٰ کی قیدی) تھیں۔ اِس عمر میں اللہ تعالیٰ اگلے پچھلے سب گناہ معاف فرما دیتے ہیں اور اپنے اس لاڈلے قیدی کو گھر والوں کے متعلق شفاعت کرنے کا حق دے دیتے ہیں۔

وہ وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ (ہم جس کی عمر دراز کرتے ہیں اسے پیدائش میں الٹا کر دیتے ہیں) کی سوتی جاگتی تصویر بن چکی تھیں۔ ان کے حواس جواب دے چکے تھے۔ نظر بس برائے نام رہ گئی تھی۔ وہ اپنے دوسرے کاموں کی طرح ناخن بھی نہیں کاٹ سکتی تھیں۔ ہمارے گھر میں ہوتی تھیں تو یہ سعادت میں حاصل کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ ان کی فرمائش کے مطابق ان کے کچھ ناخن تو میں ان کی پسندیدہ کالی قینچی سے تراشتا تھا اور باقی نیل کٹر سے۔

ایک دن ناخن تراشتے ہوئے ان کی ایک انگلی سے خون نکل آیا۔ انھوں نے تکلیف کی شدت سے فوراً اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور مجھے ڈانٹنے یا غصہ ہونے کی بجائے ان کے منہ سے بے ساختہ استغفر اللہ کے الفاظ نکلے۔ میں نے فوراً ہومیو پیتھک کی ایک اینٹی اسپٹک دوا ان کی انگلی پر ٹپکائی۔ خون فوراً تھم گیا۔ زخم مندمل ہونے میں چند دن لگ گئے۔ اس کے بعد زمین میں اللہ تعالیٰ کے اس لاڈلے قیدی کے ناخن، میں مزید احتیاط سے کاٹنے لگا۔

اور آج اللہ تعالیٰ کی اس مقدس سرزمین پر میں اپنی لاڈلی پوتی حفصہ کے ناخن اور بھی زیادہ احتیاط سے تراش رہا ہوں۔ اتنی احتیاط کہ اس دوران میں نے ماضی قریب اور ماضی بعید کے دو الگ الگ ادوار کی سیر کر لی۔ حفصہ تیز بخار کی حالت میں میری گود میں بیٹھی ہے۔ جتنی احتیاط میری طرف سے ہو رہی ہے، اسی قدر تعاون سے وہ ناخن کٹوا رہی ہے۔ نزلہ اور فلو کی وجہ سے اس کی ناک بہہ رہی ہے جسے میں تھوڑی تھوڑی دیر بعد ٹشو پیپر سے صاف کر دیتا ہوں۔ میرے ساتھ خوب باتیں کرنے والی حفصہ آج بالکل خاموش ہے۔ اس کی خاموشی مجھے بار بار ماضی کے جھروکوں میں جھانکنے کا موقع فراہم کر رہی ہے اور کبھی ابا جی اور کبھی اماں جی کی باتیں یاد کر کے میری بھی ایسی حالت ہو رہی ہے کہ مجھے اپنے لیے بھی ٹشو پیپر کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔

اب یہاں پاکستان میں، میں جب بھی اپنے ناخن کاٹتا ہوں تو مجھے ناخن کاٹنے کے ستاون (57) برس پہلے، دس برس پہلے اور پھر دو اڑھائی سال پہلے کے تینوں مناظر یاد آ جاتے ہیں۔ یہ یادیں مجھے اداس اور رنجیدہ ضرور کر دیتی ہیں لیکن یہی تو میری زندگی کا سرمایہ ہیں۔

☆☆☆

بلیوں کی حکومت

اشتیاق احمد

یہ کسی جزیرے کی کہانی نہیں، جس پر بلیوں نے قبضہ کرلیا ہو، نہ کسی ایسے جادوئی دیس کی کہانی ہے جہاں کسی جادوگر نے جادو کے زور سے انسانوں کو بلیاں بنا دیا ہو، یہ تو بلکہ سرے سے کوئی کہانی ہے ہی نہیں۔

جی ہاں، یہ ایک حقیقت ہے۔ ان دنوں ہمارے گھر پر بلیوں کی حکومت تھی اور بلیوں کی یہ حکومت میری وجہ سے قائم ہوئی تھی۔ میں نے سارے گھر کی مخالفت کے باوجود گھر میں ایک عدد بلی پال لی تھی۔ بھائی جان بلی پالنے کے سخت مخالف تھے۔ باجی تو بلی کے سایے ہی سے بھڑکتی تھیں اور امی جان اور ابا جان بلی کی صورت ہی سے بیزار تھے۔ ان حالات میں میرا ایک عدد بلی پال لینا ایک بڑے کارنامے سے کم نہیں تھا۔ سب کی مخالفت مول لی، ہاتھ جوڑے، منتیں کیں اور جب کچھ نہ بنا تو بھوک ہڑتال شروع کردی۔ میں ٹھہرا سب سے چھوٹا اور سب کا لاڈلا۔ میری بھوک بھلا کس سے برداشت ہوسکتی تھی اور پھر اس ہتھیار کے آگے تو اچھے اچھے بھی گھٹنے ٹیک دیتے ہیں لہٰذا سب کو بالآخر ہار ماننا پڑی۔

ہار مانتے وقت ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ ایک دن اس گھر میں ہر طرف بلیاں ہی بلیاں ہوں گی۔ ہوا یہ کہ میری بلی نے، جسے میں نے 'کٹی' کا نام دیا تھا، پڑوس کی تین چار بلیوں سے دوستی کرلی۔ برسات کا موسم آیا تو ان سب سہیلیوں نے شاید ایکا کرکے ایک ساتھ بچے دے ڈالے، بس پھر کیا تھا۔ جوں ہی بچے ذرا بڑے ہوئے گھر میں جیسے بھونچال آنے لگا۔ میری بلی کے بچوں نے تو خیر گھر میں ڈیرا ڈالا ہی تھا، اس کی سہیلیوں کے بچے بھی اس گھر کو پسند کرنے لگے اور دن رات یہیں رہنے لگے۔ ایک دن میں نے ان سب کو بڑی مشکل سے گنا۔

آیئے، اب میں آپ کو بتاؤں کہ اُن دنوں ہمارے گھر میں کیا ہو رہا تھا۔ اتوار کا دن تھا، سب اپنے بستروں میں دبکے ہوئے تھے، اچانک بھائی جان نے مجھے آواز دی: ''ارے بھئی شوکی!''

''میاؤں!'' بستر سے جواب ملا۔

''ہائیں! یہ بستر پر تم سو رہے ہو یا بلیاں؟''

بھائی جان غصے کے عالم میں میرے بستر کی طرف بڑھے اور پھر بستر کی چادر ایک جھٹکے سے الٹ دی۔ دوسرے ہی لمحے ان کے منہ سے ایک چیخ نکلی۔ میرے بستر سے بلی کے بچے اٹھ اٹھ کر گھر کے مختلف کونوں کا رخ کر رہے تھے۔

''حد ہوگئی! تمھیں کتنی مرتبہ منع کیا ہے کہ ان کم بختوں کو بستر میں نہ سلایا کرو!''

''میں کب سلاتا ہوں۔ یہ تو خود ہی چڑھ آتے ہیں۔''

''بھگا دیا کرو۔''

''پھر آ جاتے ہیں۔'' میں نے معصومیت سے کہا۔

جوں ہی بھائی جان وہاں سے ہٹے، ایک بار پھر میاؤں کی آواز آئی جس میں درد نمایاں تھا۔ ساتھ ہی بھائی جان کی چیخ نکل گئی۔ بلی کے ایک بچے کی دم پر ان کا پاؤں پڑ گیا تھا۔

عین اسی وقت باجی کی چیخ سنائی دی: ''شوکی! فوراً ادھر آؤ۔''

وہ غسل خانے کے دروازے پر کھڑی تھیں۔

''کیا ہوا باجی؟'' میں نے گھبرا کر پوچھا۔

''تمھارا سر، نکالو ان بدبختوں کو غسل خانے سے۔'' انھوں نے آنکھیں نکالیں۔

''ارے! یہ یہاں بھی پہنچ گئے؟'' میں نے حیران ہو کر کہا اور غسل خانے میں گھس گیا۔ چار پانچ بچے پانی کے ٹب میں چھینٹے اڑا رہے تھے اور ایک صاحب نل کے اوپر چڑھے ہوئے تھے۔ غسل خانے سے انھیں نکال کر فارغ ہوا ہی تھا کہ باورچی خانے سے امی جان کی غضب ناک آواز آئی: ''شوکی، خدا تمھیں عقل دے، ادھر آؤ!''

میں ہانپتا کانپتا اُدھر دوڑا: ''کیا بات ہے امی؟''

''بات پوچھتے ہو۔ تمھارے لاڈلے نے سارے باورچی خانے کو کباڑ خانہ بنا دیا ہے۔ ذرا دیکھو تو، کیسے دھرنا مارے بیٹھے ہیں۔''

میں اندر داخل ہوا تو اب وہ بچے برتنوں کی الماری میں گھسے دھما چوکڑی مچا رہے تھے۔ ایک آٹے کے تھیلے پر بیٹھا اپنی ناک رگڑ رہا تھا۔ ایک صاحب انڈے توڑ توڑ کر پیالے میں ڈال رہے تھے۔ دوسرے صاحب نے فرائنگ پین سنبھال رکھا تھا۔ شاید آملیٹ بنانا چاہتے تھے۔

میں انھیں اٹھا اٹھا کر باہر پھینکنے لگا۔

اچانک ابا جان کی آواز کانوں سے ٹکرائی: ''شوکی، کہاں ہو تم؟''

میں ابا جان کے کمرے کی طرف دوڑا۔ وہ دیکھتے ہی چلائے: ''احمق! یہ کیا آفت مچا رکھی ہے تم نے؟''

''جی؟ میں نے؟'' میں نے حیران ہو کر پوچھا۔

''اور نہیں تو کیا میں نے؟ بلی کے بچے تم نے ہی تو پالے ہیں۔''

''جی۔۔۔ میں نے صرف ایک بلی پالی تھی۔'' میں نے گھبرا کر جواب دیا۔

''بکومت۔ چلو، ان کو باہر نکالو۔''

''یہاں بھی پہنچ گئے یہ۔'' میں نے حیران ہو کر کہا کیوں کہ ابا جان اپنے کمرے کے دروازوں کو ہر وقت بند رکھتے تھے۔

''ہاں، رات ایک کھڑکی کھلی رہ گئی تھی۔''

میں نے کمرے میں چاروں طرف دیکھا۔ ابا جان کی میز پر تین بچے قابض تھے۔ میز کے تمام کاغذات زمین پر بکھرے پڑے تھے اور دو بچے اخبار کی شاید کشتی بنا رہے تھے۔ ابھی انھیں بھگا کر فارغ ہوا ہی تھا کہ امی جان نے آواز دی:

''شوکی، اگر تم فارغ ہو گئے ہو تو باورچی خانے میں آ کر میرا ہاتھ بٹاؤ۔''

''کیوں؟ باجی کہاں گئیں؟'' میں نے باہر سے ہی پوچھا کیوں کہ بلی کے بچوں کے پیچھے بھاگ بھاگ کر تھک چکا تھا۔

''وہ نہا رہی ہے۔''

''فرمائیے کیا کرنا ہے؟'' میں نے باورچی خانے میں پہنچ کر پوچھا۔

''پہلے تو وہ دودھ والی دیگچی مجھے پکڑا دو!''

میں نے دیگچی اٹھائی، وہ خالی تھی۔ ''یہ تو خالی ہے، دودھ کسی اور میں ہوگا۔'' میں نے کہا۔

''خالی ہے؟ لیکن دودھ تو میں نے رات اسی میں گرم کیا تھا۔''

میں نے دیگچی کا ڈھکنا اٹھا کر دیکھا۔ دیگچی اندر سے بالکل صاف تھی۔

''یہ تو بالکل صاف ہے۔ بالکل دھلی دھلائی۔''

''حیرت ہے!'' امی جان کے منہ سے نکلا۔

انھوں نے تمام دیگچیاں دیکھ ڈالیں۔ دودھ کا کہیں نام و نشان تک نہ تھا۔ آخر پتا چلا کہ دودھ اسی دیگچی میں تھا اور بلیوں کے بچوں نے رات دعوت اڑائی تھی لیکن حیرت اس بات پر تھی کہ انھوں نے دیگچی میں کہیں بھی دودھ لگا نہ رہنے دیا۔ بالکل دھلی ہوئی لگ رہی تھی۔ اس کے بعد امی نے مجھے جن نگاہوں سے گھورا، بیان سے باہر ہے۔

ناشتے سے فارغ ہو کر جو وہاں سے بھاگا تو اپنے کمرے میں پہنچ کر ہی دم لیا۔ آؤ دیکھا نہ تاؤ، کرسی پر گر گیا۔ دوسرے ہی لمحے ایک درد بھری آواز نیچے سے ابھری۔

''میاؤں!''

میں اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ ایک بچہ مجھ سے پہلے ہی کرسی پر بیٹھا تھا اور میں اسی کے اوپر بیٹھ گیا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ پوری طرح نہیں بیٹھ پایا تھا کہ اچھل پڑا۔

بلی کا بچہ اٹھ کر بھاگا اور کمرے کے ایک کونے میں دبک کر مجھے خوف زدہ نظروں سے دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں نجانے کیا تھا، مجھے ترس آ گیا۔ آگے بڑھ کر پچکارتے ہوئے اس کو اٹھا لیا اور اپنی میز پر بیٹھ گیا۔

اب میں میز پر بیٹھا یہ مضمون لکھ رہا ہوں اور بلی کا بچہ مجھے لکھتے ہوئے دیکھ رہا ہے۔ اسے کیا معلوم کہ میں اس کے بہن بھائیوں کے متعلق لکھ رہا ہوں۔ ان کی وجہ سے ہر روز میری مرمت ہوتی ہے اور یہ ہیں کہ اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتے، ٹس سے مس نہیں ہوتے، ان کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی۔

اب اس وقت جب کہ میں یہ مضمون لکھ رہا ہوں، یہ بچہ اپنا کام کر ہی گیا۔ میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ یہ مضمون یہیں پر ختم کرنا ہوگا۔ کیوں کہ اچانک بلی کے بچے نے میرے دائیں ہاتھ کی انگلی پر جھپٹا مارا، اور انگلی منہ میں لے کر چبا ڈالی۔ اب مجھے یاد آیا کہ ناشتے سے فارغ ہو کر میں نے ہاتھ نہیں دھوئے تھے۔ ہاتھ سے ناشتے کی خوش بو آ رہی تھی۔ اس لیے بچہ اسے بھی ناشتے کی کوئی چیز سمجھ بیٹھا اور اب جب میری انگلی زخمی ہو گئی ہے، میں مزید کچھ لکھنے سے قاصر ہوں۔ اب تو مجھے انفیکشن کا خطرہ ہو گیا ہے، اس لیے مزید لکھنا ترک کر دیا۔

اگر ایسا نہ ہوتا اور پوری تفصیل سے واقعات لکھتا تو شاید پورا ایک ناول لکھ ڈالتا۔ بہر حال یہ آخری الفاظ کسی نہ کسی طرح بائیں ہاتھ سے لکھ رہا ہوں تا کہ مضمون چھپ سکے۔ دعا کیجیے، میری انگلی جلد ٹھیک ہو جائے اور میں پھر بلیوں بلکہ بلونگڑوں کی حکومت پر کچھ لکھ سکوں۔

☆☆☆

انصاف دلائیے

آج ہم آپ کو اپنی دردناک داستان سنانے لگے ہیں تا کہ ہمیں انصاف دیا جائے۔

اس داستان کا آغاز تب ہوتا ہے جب ایک ناگوار سی بو ہماری ناک میں آتی ہے اور آتے ہی خطرے کی گھنٹی بجاتی ہے۔ اس گھنٹی پر کان دھرتے ہوئے ابھی ہم کھسکنے کا ارادہ کر ہی رہے ہوتے ہیں کہ ہمارے ارادے بھانپ کر ہمیں پکڑ لیا جاتا ہے۔ اب ہم جتنا بھی بھاگنے کی کوشش کریں بے سود، کیونکہ ہمارے ہاتھ پاؤں مضبوطی سے پکڑے جا چکے ہیں اور صرف اسی پر اکتفا نہیں ہوتا۔ اب ہماری ناک کی باری ہے جس نے یہ بو سونگھنے کی بدترین غلطی کی تھی۔ ناک کو مضبوطی سے دبایا جاتا ہے اور وہ زہریلی چیز ہمارے منہ میں انڈیلی جاتی ہے۔

اب ہم منہ سے سانس لینے لگتے ہیں کہ گڑگڑ کی آواز کے ساتھ وہ زہریلی چیز حلق سے اتر کر معدے میں پہنچ جاتی ہے۔ اب میرا رونے دھونے کا سسٹم شروع ہوتا ہے۔

ابھی ہم اپنا غم بھولے نہیں ہوتے کہ دور سے امی وہی شربت لیے دکھائی دیتی ہے۔

دیکھا کتنی دکھ بھری روداد ہے۔ میری یقینا آپ سب رو رہے ہوں گے ویسے کان ذرا قریب لائیے، ہمیں ایک معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ ہماری امی اپنے بچپن میں شربت منہ میں رکھ کر سانس روک لیتی تھیں اور پھر جب ان کی امی ادھر ادھر ہوتیں باہر جا کر اگل دیتیں۔

اب یہ بھلا کہاں کا انصاف ہے کہ خود تو ایسی ترکیب آزمائیں، ہم پر وہی ظلم روا رکھتی ہیں!

(بنت مفتی عبدالمجید۔ مدینہ ٹاؤن، فیصل آباد)

☆☆☆

میر حجاز

اختر حسین عزمی

تاجدارِ مدینہ نے لشکرِ اسلامی کے میمنہ (دائیں بازو) کی قیادت منذرؓ بن عمرو کو اور میسرہ (بائیں بازو) کی قیادت زبیرؓ بن عوام کو تفویض فرمائی اور پھر پوچھا:

''مشرکین کا علم بردار کون ہے؟''

''بنی عبدالدّار کا طلحہ بن ابی طلحہ'' صحابہؓ نے جواب دیا۔

''تو ہم بھی اسی خاندان کے ایک فرد کو یہ اعزاز دیتے ہیں۔'' یہ کہتے ہوئے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مصعبؓ بن عمیر کو علم عطا فرمایا۔ آپؐ نے کوہِ احد کو اپنی پشت پر رکھ کر خود کو پیچھے سے محفوظ کرلیا اور پڑاؤ کے لیے اونچی جگہ کو منتخب فرمایا تا کہ خدانخواستہ شکست سے دوچار ہونا پڑے اور دشمن کیمپ پر قبضے کے لیے پیش قدمی کرے تو اسے سخت مزاحمت کا سامنا کرنا پڑے۔ دورانِ جنگ بائیں بازو کی طرف سے جس واحد درّے ''عینین'' سے دشمن کے حملے کا اندیشہ تھا اس پر سفید وردی میں ملبوس پچاس تیر انداز مقرر فرما دیے اور ان کے کمانڈر عبداللہ بن جبیر انصاریؓ کو تاکید فرمائی:

''تم دشمن کے شہسواروں کو تیر اندازی کے ذریعے ہم سے دور رکھنا۔ وہ پیچھے سے ہم پر چڑھ نہ آئیں۔ ہم جیتیں یا ہاریں، تم اپنی جگہ ڈٹے رہنا۔ اگر دیکھو کہ ہم مارے جا رہے ہیں تو بھی ہماری مدد کو نہ آنا اور اگر دیکھو کہ مالِ غنیمت سمیٹ رہے ہیں تو بھی ہمارے ساتھ شریک نہ ہونا۔ اگر تم دیکھو کہ چیلیں ہمارا گوشت نوچ رہی ہیں یا تم دیکھو کہ ہم نے دشمن کو کچل دیا ہے، تب بھی اپنی جگہ نہ چھوڑنا۔ جب تک میں خود تمھیں بلا نہ بھیجوں۔''

☆☆

عمرو بن ثابت ایک عرصے بعد سفر سے واپس مدینہ پہنچا تھا۔ اسے اپنے قبیلہ اوس کے بہت سے افراد مدینہ میں نظر نہ آئے تو اس نے لوگوں سے پوچھا:

''سعدؓ بن معاذ کہاں ہیں؟''

''میدانِ احد میں۔'' اس کے ہم قبیلہ لوگوں نے بتایا۔

''میرے بھتیجے کہاں ہیں؟''

''وہ بھی میدان احد میں ہیں۔''

''قبیلے کے دوسرے افراد بھی نظر نہیں آرہے؟'' اس نے سوال کیا۔

''وہ سب قریش کے خلاف جنگ میں شرکت کے لیے گئے ہوئے ہیں۔''

عمرو بن ثابت سوچ میں پڑ گیا کہ میری ساری ہی قوم محمدؐ کے پیچھے چل کھڑی ہوئی ہے۔ لوگوں میں وہ اُصیرم کے نام سے جانا جاتا تھا۔ اس کی قوم جب بھی اسے قبولِ اسلام کی دعوت دیتی، وہ کہتا: ''جو کچھ تم کہتے ہو، اگر میں جان گیا کہ وہ واقعی سچ ہے تو میں اسے قبول کرنے میں تامّل نہیں کروں گا۔''

آج جب قوم کے ہر قابل ذکر فرد کے بارے میں اسے معلوم ہوا کہ وہ اسلام کے دفاع کے لیے میدانِ اُحد میں پہنچا ہوا ہے تو اسے اپنے رویّے پر پشیمانی سی ہونے لگی۔ آبائی مذہب کے تعصب کی پٹیاں ایک ایک کرکے اس کی آنکھوں سے اترنا شروع ہوگئیں۔ اس نے زرہ پہنی اور سر پر خود سجایا، تلوار تھامی اور نیزہ پکڑا۔ مسلّح ہوکر سرپٹ گھوڑا دوڑاتا ہوا اس وقت میدانِ جنگ میں پہنچا جب مجاہدین اسلام کافروں کے مقابلے کے لیے صف بستہ کھڑے تھے۔ اس کے ہم قبیلہ لوگوں نے جب اسے دیکھا تو اسے کہا:

''کفر و اسلام کی اس جنگ میں اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کسی کافر کی مدد لینا گوارا نہیں، اس لیے تم یہاں سے چلے جاؤ۔''

''اے میری قوم، مجھ پر برہم نہ ہو۔ اور میں بھی تمھاری طرح اللہ کے کلمے کی سربلندی کے لیے جہاد کرنے آیا ہوں۔'' اُصیرم نے ایمانی جذبے سے سرشار لہجے میں کہا۔

☆☆

یامعشر الیہود! اللہ کی قسم تم اچھی طرح جانتے ہو کہ کفر کے مقابلے میں محمدؐ کی امداد کرنا تم پر فرض ہے، آؤ اس فرض کو ادا کریں۔''

قبیلہ بنو نضیر کے خاندان بنو ثعلبہ کے یہودی عالم مخیرّیق نے اپنے علما کو جھنجوڑا۔

''آج تو یوم سبت (ہفتے کا دن) ہے اور شرعی لحاظ سے آج ہمارے لیے جنگ کرنا ممنوع ہے۔'' یہودی علماء نے جنگ میں ساتھ دینے سے بچنے کے لیے شرعی حیلے کا سہارا لیا۔

''یہ سب تمھاری من گھڑت تاویلیں ہیں۔ اگر تم نہیں جاتے تو میں تو بہرحال ان کا ساتھ دینے جا رہا ہوں۔''

یہ کہنے کے بعد مخیرّیق نے اپنے وارثوں کو بلایا اور اپنے عزیزوں کے سامنے انھیں وصیت کی کہ اگر میں لڑائی میں مارا جاؤں تو میرے سارے اموال و جائیداد جنابِ محمدؐ کی خدمت میں پیش کر دیے جائیں، انھیں اختیار ہے کہ وہ جیسے چاہیں، اس میں تصرف کریں۔'' پھر ہتھیار بند ہوکر میدانِ اُحد کا رُخ کیا۔ (سیرۃ ابن ہشام)

☆☆

''اے عبدالدّار کے سپوتو! تم جانتے ہو کہ میدان بدر میں تم قریش کے پرچم بردار تھے۔ اس روز ہم پر جو قیامت ٹوٹی تم اسے بھولے نہیں ہوگے۔ اگر جھنڈا سرنگوں ہوجائے تو جنگجوؤں کے حوصلے پست اور قدم اُکھڑ جاتے ہیں۔ آج پھر قوم کا پرچم تمھارے پاس ہے۔ اگر تم اس کا حق ادا کرسکتے ہو تو ٹھیک، ورنہ ابھی ہمیں بتادو تا کہ ہم خود اس کا حق ادا کریں۔''

قریش کے سپہ سالار ابوسفیان نے بنی عبدالدّار کے پرچم بردار طلحہ بن ابی طلحہ اور اس کے خاندان والوں سے کہا۔

وہ بیک آواز بولے: ''کیا ہم اپنا جھنڈا تمھیں سونپ دیں؟ جلد ہی معلوم ہوجائے گا کہ ہم اس جھنڈے کا حق کیسے ادا کرتے ہیں۔''

قریش کی پرچم برداری کا اعزاز بنی عبدالدّار کو اس وقت سے حاصل تھا جب بنو عبد مناف نے قُصّی سے وراثت میں پائے ہوئے مناصب کو باہم تقسیم کیا تھا۔ آباء واجداد سے جو دستور چلا آرہا تھا، اس کے پیش نظر کوئی شخص اس منصب کے بارے میں ان سے نزع نہیں کر سکتا تھا لیکن سپہ سالار ابوسفیان نے انھیں یاد دلایا کہ جنگ بدر میں ان کا پرچم بردار نضر بن حارث گرفتار ہوا تو قریش کو کن حالات سے دوچار ہونا پڑا۔ ابوسفیان کے اس طعن پر بنی عبدالدّار کو تاؤ آگیا اور انھوں نے جس عزم کا اظہار کیا، ابوسفیان کا مقصد بھی انھیں اس حد تک جذباتی کرنا تھا۔

ابوسفیان نے اپنے لشکر کے میمنہ کا کمانڈر خالد بن ولید کو اور میسرہ کا کمانڈر ابوجہل کے بیٹے عکرمہ کو بنایا۔ پیدل فوج کی کمان صفوان بن اُمیّہ کے پاس اور تیر اندازوں کی سربراہی عبداللہ بن ابی ربیعہ کے پاس تھی۔

جاری ہے

قابلِ داد کتاب کی قابلِ دید تقریب

حماد یعقوب۔آئی سی ایس فرسٹ ایئر
گورنمنٹ ہائر سیکنڈری اسکول 24، اسلامیہ
ڈیرہ اسماعیل خان

روداد: تقریبِ رونمائی و پذیرائی
کتاب: کراماتی چھتری
مصنف: حافظ عبدالرزاق خان
دن: ۵ شعبان المعظم ۱۴۴۵ھ یومِ ولادتِ فخرِ سادات حضرت امام حسینؓ
تاریخ: 15 فروری 2024ء

یہ جمعرات کا ٹھنڈا میٹھا دن تھا۔ سورج اپنی ٹھنڈی دھوپ بکھیر رہا تھا۔ ہماری آئی سی ایس کی پوری کلاس استادِ محترم حافظ عبدالرزاق خان صاحب کی محبت بھری دعوت پر وائٹ روز مارکی کی طرف کھنچی چلی آ رہی تھی۔ میں، ساران اور حسنین عبداللہ دس بجتے ہی مذکورہ ہال پہنچ گئے۔ جونہی ہال میں داخل ہوئے تو دو بڑے بڑے بینروں پر نظر پڑی جن پر فلسطین اور کشمیر کے بارے میں بہت ہی پیاری نظمیں لکھی ہوئی تھیں جو عجیب پر کیف ماحول پیدا کر رہی تھیں۔ میرا دل مچل گیا:

سنا ہے تجھے احساسِ درد نہیں ہوتا
آ تجھے سیرِ فلسطین لے چلوں!

پھر ہم اسٹیج پر جا کر سر جی سے ملے۔ وہ ہمیں دیکھ کر بہت زیادہ خوش ہوئے۔ اسٹیج کا بیک گراؤنڈ کیا تھا...... یوں سمجھیں جیسے آپ مواجہ شریف کے آس پاس ہی موجود ہوں۔ سر جی کے والد بزرگوار اور ان کے بچوں کے نانا جی کو اکٹھے بیٹھا مسکراتا دیکھ کر دل بہت خوش ہوا۔ اس محفل کو چار چاند لگانے کے لیے عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت، ڈیرہ اسماعیل خان کے ضلعی امیر جناب قاری محمد طارق صاحب مدظلہ، انٹرنیشنل ختم نبوت موومنٹ کے ضلعی جنرل سیکرٹری جناب مولانا محمد یونس مکی صاحب مدظلہ اور مجلس احرارِ اسلام کے ضلعی امیر جناب چوہدری قمر جاوید صاحب مدظلہ نے آنا تھا۔ جونہی یہ حضرات دیگر مہمانوں کے ہمراہ ہال میں داخل ہوئے تو فضا تکبیر اور ختم نبوت زندہ باد کے نعروں سے گونج اٹھی۔ طلبہ نے مہمانوں پر گلاب کی پتیاں نچھاور کیں۔

ڈائس کو میرے، ہم جماعت عاشر خان اور حسنین نے بڑی خوب صورتی سے سنبھالا ہوا تھا۔ تقریب ٹھیک گیارہ بجے تلاوتِ کلام پاک سے شروع ہوئی۔ معذرت کے ساتھ عرض ہے کہ تلاوت تو عربی میں تھی مگر قرات کا لہجہ پشتو تھا۔ نعتِ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم دو جڑواں بھائیوں نے پیش کی۔ وہ ہمیں نعت شریف کے ساتھ مدینے کی گلیوں میں لے گئے مگر ہم ان دونوں کو دیکھ کر کعبے کی گلیوں میں پہنچ گئے کہ رب نے کیا کاریگری دکھائی ہے۔ انھیں ہم شکل، ہم عمر، ہم آواز بنا کر۔ ان کے بعد شہر کے مشہور انگلش میڈیم اسکول (کیسٹون) کے ایک ننھے منے طالب علم محمد حاشر نے ختم نبوت پر انگریزی میں تقریر کی۔

پھر باری باری معروف شعراء، پی ایچ ڈی اسکالرز اور پروفیسرز نے 'کراماتی چھتری' پر اظہارِ خیال کیا جس کا خلاصہ یہ ہے:

☆...... ''کراماتی چھتری''، ختمِ نبوت کے موضوع پر تخلیقی کہانیوں کا مجموعہ ہی نہیں بلکہ سوانحی خاکوں کا البم بھی ہے جس میں حافظ صاحب نے سات شخصیتوں کی تصویر کشی بھی کی ہے۔ (ایسوسی ایٹ پروفیسر محمد شاہجہان، شعبہ اردو ادبیات، گورنمنٹ ڈگری کالج نمبر 1)

☆...... مصنف نے جس موضوع پر یہ کتاب لکھی ہے۔ اس پر کام کیا نہیں جاتا، کروایا جاتا ہے۔ (ڈاکٹر خورشید ربانی، معروف شاعر اور محقق، وابستہ روزنامہ نوائے وقت)

☆...... ''کراماتی چھتری'' کا لب ولہجہ انتہائی سادہ ہے۔ واضح پتا چلتا ہے کہ علمیت اور لفاظیت نہیں جھاڑی گئی بلکہ مسئلہ سمجھانے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے۔ (احسن خلیل احسن، فاضل خیر المدارس، ملتان)

☆...... اردو ادب میں ختم نبوت کے عنوان پر اس انداز سے پہلے کبھی نہیں لکھا گیا۔ یقیناً یہ اردو ادب میں منفرد اور گراں قدر اضافہ ہے۔ (حافظ مشکوٰۃ کنز کالج۔)

محمد عاشر خان (کمپیئر) وقتاً فوقتاً ڈائس پر آتے اور ماحول کی مناسبت سے کوئی شعر سنا کر خوشبو بکھیر دیتے۔ ہماری زبان میں داد دینے کے لیے کھجلی تو ہوتی مگر جونہی سر اوپر اٹھاتے تو ڈرون پر نظر پڑ جاتی اور اس کے خوف سے چپکے رہتے۔ مہمان ہمیں رشک بھری نگاہوں سے دیکھ رہے تھے کہ کتنے مؤدب اور منظم طلبہ ہیں حالانکہ یہ سب محض ڈرون کا کمال تھا۔

اس مشک بار تقریب کا سب سے دلکش منظر وہ چھوٹے چھوٹے بچے تھے جنھوں نے سرخ کپڑے پہنے ہوئے تھے اور مجلس احرارِ اسلام کے جھنڈے اٹھائے ہوئے تھے۔ ان میں سے کچھ کے ہاتھوں میں فلسطین اور کشمیر کے پرچم بھی تھے۔ یہ من چلے بچے جب جی چاہتا اسٹیج پر چڑھ جاتے اور جب جی میں آتا نعرہ بازی شروع کر دیتے۔ ان پر کوئی روک ٹوک نہ تھی اور ان کی یہی معصومیت اور ان پر کی جانے والی شفقت دراصل اس تقریب کی سب سے خاص بات تھی۔

پھر وہ لمحہ آیا جس کے لیے یہ تقریب سجائی گئی تھی۔ عاشر خان کی دعوت پر 'کراماتی چھتری' کے مصنف یعنی میرے پیارے سر جی اسٹیج پر تشریف لائے انھوں نے فرداً فرداً تمام مہمانانِ گرامی کا شکریہ ادا کیا۔ خاص طور پر مجلس احرار اسلام کے یوتھ لنگ کا

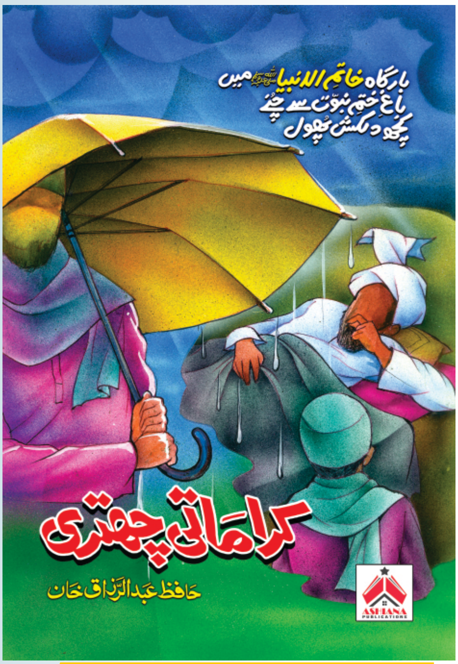

کتاب منگوانے کے لیے درج ذیل نمبر پر رابطہ کریں
0342 4198208

اٹلانٹس پبلکیشنز | محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز کے ناول

ویب سائٹ سے آرڈر کا طریقہ: www.atlantispublications.com.pk سے گھر بیٹھے ناول منگوائیں

اشتیاق احمد کے ناول اور دیگر کتابیں آرڈر کرنے کے لئے ویب سائٹ کے ہوم پیج کے اوپر BOOK SHELF پر کلک کریں اور پھر اپنی پسند کی کیٹگری پر کلک کریں، اپنی مطلوبہ کتاب کے ٹائٹل کے ساتھ ADD TO CART کے بٹن پر کلک کرتے جائیں، آپ اوپر دائیں کونے پر باسکٹ کے نشان پر اپنی منتخب کردہ کتب کی کل قیمت دیکھ سکتے ہیں۔ آرڈر فائنل کرنے کے لئے اس باسکٹ کے نشان پر کلک کر کے ایک مرتبہ رعایتی بل اور ڈیلیوری چارجز دیکھ کر CHECKOUT کے بٹن پر کلک کر دیں۔ اپنا مکمل نام، مکمل پتہ اور رابطہ نمبر کی مکمل تفصیلات درج کر کے NEXT پر کلک کریں۔ ادائیگی کے طریقوں میں سے ایک کا انتخاب کر کے PLACE ORDER پر کلک کر دیں۔ آپ کا آرڈر ہمیں موصول ہو جائے گا۔ کال کنفرمیشن کے بعد آپ کا پارسل تین سے سات روز میں ڈلیور ہو جائے گا۔ واٹس ایپ میسج 0348-2568546 | فون 0300-2472238, 0331-4853445

آپ اپنے پسندیدہ ناول facebook.com/InspectorJamshed اور facebook.com/atlantispublications سے بھی آرڈر کر سکتے ہیں۔

ناولوں کے پہلے ایڈیشنز کے نئے پرنٹ، اوریجنل سرورق، اشتہارات اور بچوں کے خطوط کے ساتھ

جن کی کاوشوں سے یہ تقریب انعقاد پذیر ہو رہی تھی۔

کتاب کی تقریب رونمائی کے لیے سر جی نے معزز علی مون نامی نوجوان کو دعوت دی تو سب حیران رہ گئے کہ علماء فضلاء کی موجودگی میں اسے کیوں چنا گیا مگر جب سر نے اس کا تعارف کرایا تو سب اسے رشک بھری نظروں سے دیکھنے لگے۔ اس نوجوان نے گزشتہ برس اپنے والد کی جان بچانے کی خاطر اپنا جگر انھیں دیا تھا۔

وہ لمحہ بہت ہی عجیب تھا۔ مون کی آنکھوں میں نمی سی در آئی، ادھر ہر ایک اپنے آنسو روکنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔ اسٹیج پر بیٹھے تمام حضرات نے باری باری اس نوجوان کو پیار کیا اور نیک تمناؤں کا اظہار بھی کیا۔

سر جی کے سسر قاری غلام یٰسین صاحب نے اس نوجوان کو جونہی نقد انعام سے نوازا تو سب کو اپنی اپنی جیبوں کو ہوا لگوانی پڑی تب تو ہمیں مون کی قسمت پر بڑا ہی رشک آیا۔

آخر میں جب سر جی نے کھانے کی میزوں کی طرف جانے کا کہا تو سچ پوچھیے جان میں جان آ گئی۔ ہمیں اس اعلان کو سننے کے لیے تین گھنٹوں کا انتظار کرنا پڑا اور بالآخر اس اعلان سے کانوں میں رس گھل گیا مگر جب پکوان دیکھے تو پھر تو باچھیں ہی کھل گئیں۔ میرے ساتھ والی کرسی پر گلشن ساعر منہ لٹکائے بیٹھا تھا میں نے اسے کہنی ماری کہ کھاتے کیوں نہیں ہو؟

اس نے جواب دیا کہ یار میں بڑا گوشت نہیں کھاتا تو میں نے کہا، ارے آنکھیں کھول کر دیکھو بکرے کا گوشت ہے۔ اس پر تو اس کے دونوں ہاتھ حرکت میں آ گئے۔ کھیر کا بھی اپنا ہی مزا تھا۔

سر جی ہر میز پر جا جا کر ایک ایک کا شکریہ ادا کر رہے تھے۔ بعض لڑکے احتیاطاً شاپر بھی ہمراہ لائے تھے مگر انھیں منہ کی کھانی پڑی۔ ایک تو یہ کہ پلاؤ نہیں سالن تھا دوسرے ڈرون نے کام خراب کر دیا تھا۔ استاد انھیں دیکھ دیکھ کر زیرِ لب مسکرا رہے تھے۔

گھر واپس آنے سے پہلے ہم سب باری باری سر سے ملے اور انھیں مبارک باد دی۔ بشریٰ دعا (سر جی کی بیٹی جس کی آمین بھی تھی) کو تحفہ دیا۔ کتاب کے اسٹال پر کھڑے ہو کر ایک کتاب ہاتھوں میں لے کر اسے پیار کیا، چوما، ورق گردانی کی اور کتاب سے سرگوشی کی کہ آج جیب میں پیسے نہیں مگر جلد ہی تمھیں ضرور خریدوں گا، ان شاءاللہ!

سر جی بھی جلدی میں تھے انھیں گھر سے فون آیا تھا کہ اماں جان اور بہنیں آپ کا انتظار کر رہی ہیں۔ ظہر کی نماز راستے میں ادا کی اور بعد نماز کے فلسطینی بھائیوں کے ساتھ ساتھ 'کراماتی چھتری' کے فیض کے پھیلنے کی دعا مانگی۔

محمد احمد صاحب برادرز (وہی جڑواں نعت خواں) نے جس انداز سے نعتیں پیش کی تھیں انھوں نے میرے دل کی دنیا ہی بدل دی تھی۔ میں یہ سوچ سوچ کر مسرور ہو رہا تھا کہ:

''زندگی میں ایک رات ایسی بھی ان شاءاللہ ضرور آئے گی جس میں پوری رات نیند نہیں آئے گی، اِس خوشی میں کہ صبح مدینہ پاک کے لیے سفر کا آغاز ہوگا......!''

☆☆☆

اُن کے کوچے میں کچھ دن رہے تو!

خرم فاروق ضیا۔ ملتان

باغِ جنت میں مجھ کو ٹھکانا ملا
رب کے محبوب کا آستانہ ملا
اور کوئی بھی حاجت نہ باقی رہی
رحمتوں کا وہ ایسا خزانہ ملا
راہ بھٹکے ہوئے قلبِ مغموم کو
اک مسرت بھرا آشیانہ ملا
رب کی نظرِ کرم تھی یا پھر غیب سے
اپنی بخشش کا مجھ کو بہانہ ملا
اُن کی مسجد کے انوار پیہم ملے
ان کے روضے کا منظر سہانا ملا
وردِ صلی علیٰ کی صدائیں سنیں
ہر زباں پر نبی کا ترانہ ملا
آج بھی ساتھ تھے یارِ غارِ نبی
ساتھ دونوں کا صدیوں پرانا ملا
مرکزِ امتحاں احد اور بدر سے
عشق اصحاب کا والہانہ ملا
اُن کے کوچے میں کچھ دن رہے تو
لگا جیسے ہم کو نبی کا زمانہ ملا

☆☆

(پیہم: پے در پے، متواتر، لگاتار، مسلسل)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

☆شمارہ ۱۱۱۵ کی دستک میں آپ بہترین گر بتا رہے تھے۔ یہ تحریر ہمیں بھی آپ کی باتوں پر عمل کر کے اپنی زندگی کو سنوارنے کا موقع دے رہے تھے۔ 'میر حجاز' دن بدن دلچسپ ہوتا جا رہا ہے اثر جون پوری کی نظم 'بچے' اچھی تھی جو چھوٹے بچوں کو شہادت کی موت پر ابھار رہی تھی۔ 'میرا سوہنا شہر' کا سلسلہ ماشاءاللہ دوبارہ شروع ہو گیا ہے۔ جن شہروں کی سیر سے محروم تھے اب مکمل سیر ہو جائے گی۔
(منیبہ جاوید۔ احمد آباد، اٹھارہ ہزاری، جھنگ)

ج: اب شاید شہر مکمل ہو گئے ہیں، اس لیے قصبات پر تحریریں آ رہی ہیں۔

☆چاچو! ہمیں بچوں کا اسلام بے حد عزیز ہے گویا اس میں ہماری جان بستی ہوں لیکن شمارہ ۱۱۰۵ ہمارے پاس آخری رسالہ تھا اس کے بعد رسالے ہم سے روٹھ گئے اور ہمارے گھر کا راستہ بھٹک گئے، بس یوں لگتا تھا کہ ہم دنیا سے کٹ چکے ہیں، اسی طرح ہفتے گزر گئے اور ہم بے چین روح کی طرح بھٹکتے رہے کبھی جب ہمیں اچانک کام کرتے کرتے رسالہ یاد آئے تو دل میں غم کی لہر سی اٹھتی لیکن الحمدللہ بے حد کوششوں سے اور مہربان اور شفیق امی ابو کی برکت سے ہم نے رسالے گھر پر لگوانے کا ارادہ پایۂ تکمیل کو پہنچا بہت شکریہ سرکولیشن والے بھائی کا، اب ہمیں باقاعدگی سے پہنچتے ہیں۔ شکراً جزیلاً۔ تو شمارے کا خوب صورت سرورق میرے جذبات کی عکاسی کر رہا تھا یعنی تھکا ہارا فوجی اپنی منزل کو پہنچ گیا ہو اور مجھے رسالہ مل گیا ہو۔ دستک دیکھ کر آنکھیں جگمگا اٹھیں۔ 'گیارہویں سینچری' مضمون میں اپنا نام دیکھ کر بے پایاں خوشی ہوئی۔ 'مسکراہٹ کے پھول' زبردست تھے۔ دستک میں تعارف کتب بہت خوب تھا۔ باجی عشرت جہاں کی کہانی سوچ کے دروا کر رہی تھی۔ کچھ غیر معمولی ریکارڈ جھوٹ کا پلندہ لگا۔ ایسے کیسے ہو سکتا ہے؟ 'اچھی خبریں' کا سلسلہ بھی بہت خوب ہے۔
(حفصہ کائنات بنت محمد آصف خان۔ ویسہ، تحصیل حضرو ضلع اٹک)

ج: نہیں بنا تحقیق کے جس طرح ہمیں ہر بات سچ نہیں مان لینا چاہیے، اسی طرح کسی بات کو فوراً جھوٹ بھی نہیں کہہ دینا چاہیے۔ بہت کچھ ہمیں بہت عجیب اور حیران کن لگتا ہے لیکن وہ بالکل ممکن ہوتا ہے۔

☆میں بچوں کا اسلام کی خاموش قاریہ ہوں جب بچوں کا اسلام کا پہلا شمارہ آیا تب میری عمر چودہ برس تھی اور اب خط لکھنے کی ہمت کی ہے جبکہ میری بچی چودہ برس کی ہونے والی ہے۔ میں ثانویہ عامہ کی طالبہ تھی جب میری ہم جماعت نے بچوں کا اسلام سے متعارف کروایا۔ اس دن سے میری دوستی اس سے ہو گئی۔ اس سلسلے میں میرے ابو جان نے بہت تعاون کیا اور ہمارے گھر میں بچوں کا اسلام، خواتین کا اسلام، بناتِ عائشہ اور حیا مستقل آنے لگے پھر تو حالت یہ ہو گئی کہ دنوں کی بجائے گھنٹوں کا بھی انتظار کیا جاتا اور رسالہ پڑھ کر ہی دل کو قرار آتا پھر جب میری شادی ہو گئی تو بھی میرے ابو رسالہ میرے سسرال تک لے کر آتے کہ میری بیٹی انتظار میں ہو گی۔ یہ رسالے میری روح کا حصہ بن چکے ہیں۔ سارا دن جتنی بھی مصروفیت رہے جب تک رسالہ مل نہ جائے سکون نہیں ملتا۔ میرے پیارے ابو اس دنیا میں نہیں رہے، قارئین سے دعاؤں کی درخواست ہے۔ اللہ رب العزت میرے ابو کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین!
(بنت عبدالغفار۔ بہاول پور)

ج: ماشاءاللہ، یعنی یہ دو چار برس کی بات نہیں دونسلوں کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ اس دوستی کو قائم رکھے۔ ابو جان مرحوم کو اپنا خاص قرب عطا فرمائے، آمین!

☆سرورق ہمیشہ کی طرح خوب صورت رہا۔ سب سے پہلے سرورق کہانی 'سزا' نکال کر پڑھی۔ بہت زبردست تھی۔ اس کے بعد 'میر حجاز' پڑھی۔ اشتیاق احمد مرحوم کی کہانی پڑھتے ہی دل سے دعا نکلی کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کی قبر کو تاحدِ نگاہ وسیع کرے، آمین! 'پر کا کوا بن گیا' اور 'سر پر رکھ دے' دونوں ہنستی مسکراتی تحریریں تھیں۔ 'وہ بچہ کہاں گیا' پڑھ کر پورا اسلام کرنے کا ارادہ کر لیا۔ 'پپیتا جی کا وقار' میں پپیتا اپنے فوائد بتا رہا تھا۔ 'جہالت' پڑھ کر ہنسی آ گئی۔ آمنے سامنے کے سبھی خطوط اچھے تھے۔ اس میں چار خطوط نئی قاریات کے تھے۔
(بنت ملک عابد ثانیہ۔ گڑھا موڑ)

ج: ہمیں تو جہالت بابت پڑھ کر ہمیشہ رونا ہی آیا۔

☆دستک میں فلسطین کے موضوع پر مدیر چاچو نے بہت اچھا لکھا۔ بچوں کا اسلام کے ہر دل عزیز لکھاری حافظ عبدالرزاق صاحب آئے اور چھا گئے۔ عائشہ تنویر صاحبہ کی کہانی کچرا گھر میں گوہر کو اپنے کیے کی بھرپور سزا ملی لیکن یہ بات سمجھ نہیں آئی ساتھ میں سمیر کو کیوں رگڑا لگا؟ پوچھنا یہ تھا کہ بچوں کا اسلام میں ایک سلسلہ شروع ہوا تھا ماموں مہربان (یا شاید خالو خیر خواہ) سے پوچھیے وہ کیوں بند ہو گیا ہے؟
(سعید الرحمن بن نذیر خان۔ راولپنڈی)

ج: سوالات ہی اچھے نہیں آ رہے تھے۔ یعنی جو سوالات بھی آ رہے تھے وہ بچوں اور نوعمروں کے نہیں بلکہ بڑوں کے تھے۔ ٹھیک ہے کہ ہمارے بچوں کا اسلام کے قارئین اور لکھاری اکثر بڑے بھی ہیں مگر یہ سلسلہ تو چھوٹوں کا ہے ناں۔ تبھی تو یہ سلسلہ منفرد بھی ہو گا اور جواب دینے کا لطف بھی آئے گا جب پیارے پیارے معصوم سے سوالات آئیں گے۔

☆'دستک' میں ہمیشہ کی طرح آپ نے معاشرتی برائیوں میں سے ایک کی بابت بات کی تھی۔ 'میں اور بچوں کا اسلام' سے معلوم ہوتا ہے کہ بچوں کا اسلام بچوں کی نہ صرف غیر نصابی مطالعے کی ضرورت کو پورا کر رہا ہے بلکہ انھیں تفریح بھی میسر کر رہا ہے۔ 'جواہرات سے قیمتی' پند آموز تھے۔ 'کیا، کیوں، کیسے' شاید پانی یا شاید درجۂ حرارت بلکہ نہیں موسم کے حوالے سے کوئی تحریر تھی۔ 'ذہانت' میں بلند مرتبہ شخصیتوں کی ذہانت کا تذکرہ تھا۔ واقعی ذہانت بھی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ 'ان سا پیارا اور نہ کوئی' اچھی نعت تھی۔ 'شور کوٹ' سے معلومات میں اضافہ ہوا۔ 'منواؤ تو مانیں' کے مصنف کا نام پڑھتے ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ کس طرح کی تحریر ہو گی۔ 'آمنے سامنے' کے سارے خطوط اور جوابات پڑھ کر مزہ آیا ہے۔ مجھے بھی شریکِ محفل کر لیا کریں۔
(محمد جنید عامر۔ کراچی)

ج: ہماری محفل کے دروازے تو دشمنوں کے لیے بھی کھلے ہیں آپ تو دوست ہیں، آپ بس باقاعدگی سے آنے والے بنیں، ہم بھلا کیوں نہ شریکِ محفل کریں گے۔

☆تین تحریروں کے عنوان سے ہی پتا چل گیا کہ 'دستک' میں کتابوں کا ذکر ہے، فوراً سے پرس ٹٹولا۔ اب دیکھیے کیا نکلتا ہے۔ 'جذباتی فیصلے' کے اختتام پر دھک سے رہ گئے۔ اللہ اتنا جذباتی فیصلہ...... 'میر حجاز' زبردست جا رہا ہے۔ آمنے سامنے' میں تقریباً نئے لکھاری ہیں۔ چاچو جی پرانوں کو بھی جگائیے۔ کچھ مزے کالے کر آئیں۔ 'رب نے در پہ بلا لیا' کے تو کیا ہی کہنے۔ رہنمائی اور معلومات سے بھرپور تحریر۔
(فریحہ بتول۔ کراچی)

ج: پرانے تھک گئے ہیں، انھیں آرام کرنے دیجیے۔ نئے کا استقبال کیجیے اس سے پہلے کہ وہ بھی پرانے ہو کر سو جائیں۔

☆شمارہ ۱۱۶۳ میں آپ کی دستک پڑھ کر بہت پریشانی ہوئی۔ ہم سب کی دعائیں ہمیشہ آپ کے ساتھ ہیں۔ 'انداز اپنا اپنا' تحریر نے اچھا سبق دیا۔ نعت سبز گنبد پڑھ کر جھوم اٹھی۔ 'دو سنتیں' کہانی میں چاند میاں دولھے سے بھی زیادہ پیارے لگ رہے تھے۔ 'بچا تیز گام کو ڈینگی بخار ہوا' مزے دار کہانی لگی۔ شمارہ ۱۱۶۴ میں القرآن وحدیث کے بعد آپ کی دستک پڑھی۔ کراچی کتب میلہ اور تین خوش خبریاں ہم نے بھی ناول لینے کا ارادہ کیا ہے۔ 'میر حجاز' کی یہ قسط لاجواب تھی۔ 'قباچہ اور چڑیا گھر' احمد حاطب صدیقی ماشاءاللہ بچوں کے لیے اچھی کہانی لے کر حاضر ہوئے۔ 'دیکھو تیرا شہزادہ آیا ہے' پڑھ کر بڑا رشک آیا اور حافظ عبدالرزاق بھائی کی امی جان کو ایصالِ ثواب کیا۔ 'ہمت کا پہاڑ' سلسلہ اچھا جا رہا ہے۔
(فریحہ عبدالمجید۔ راجن پور)

ج: آپ سب کی دعائیں وہ قیمتی اثاثہ ہیں جس کا اس دنیا میں کوئی نعم البدل نہیں۔

☆شمارہ ۱۱۵۸ میں دستک پڑھ کر دل سے آپ کے لیے خیر وعافیت کی دعائیں نکلیں۔ شمارہ

۱۱۶۰ کی دستک شوق سے پڑھی اور خاموشی سے آگے بڑھ گئی۔ ’کتالیسواں دیا‘ اچھی تحریر تھی۔ ’سب عزتیں دین میں‘ بہترین تھی۔ (مستجاب سرور۔ ماتلی، بدین)

ج: مگر دستک کے جواب میں تو در کھولا کرتے ہیں، آپ خاموشی سے آگے بڑھ گئیں۔ یہ تو اچھی بات نہیں بھتیجی!

☆ شمارہ ۱۱۶۱ کا سرورق اگر محترم بانی مدیر کے حوالے سے ہوتا تو زیادہ مناسب ہوتا مثلاً مرحوم و مغفور کی مرقد کی تصویر یا بچوں کا اسلام والے کمرے کی تصویر یا مرحوم کا اپنا خاکہ (شرعی حدود میں رہتے ہوئے) یا محض گلاب کے پھول اور ان میں بانی مدیر کا نام وغیرھم۔ جولائی 2024ء کی ابتدا ہی میں بانی مدیر علیہ الرحمہ کے حوالے سے ’بکھری یادیں‘ بذریعہ واٹس ایپ ارسال کی تھیں۔ لگتا ہے کہ وہ ’سانحہ نامرضیۂ‘ کی نذر ہو گئیں۔ دوبارہ ارسال کر دوں؟ اپنے رسالے کے لکھاری (بھائی یا بہن) کو کسی دوسرے رسالے یا اخبار میں دیکھ کر خوش گوار احساس ہوتا ہے۔ ابھی تھوڑے ہی عرصے میں عزیزم دانیال حسن چغتائی کی ہلکی پھلکی ادبی اور معلوماتی کہانیاں قومی اخبارات کے ادبی صفحات پر دیکھ کر خوشی ہوئی۔ انسپکٹر لومڑ کے جاسوسی کارنامے کا جواب اگرچہ آپ نے واٹس ایپ پر مانگا ہے مگر بامر مجبوری میں اس کا جواب خط میں دے رہا ہوں۔ ’’ڈبو صاحب کا مجرم ان کا اپنا سیکرٹری مرغا صاحب ہیں۔‘‘ (ضرار قاسم۔ لاہور)

ج: جواب درست ہے مگر اتنی دیر میں ملا کہ قرعہ اندازی ہو کر نام بھی شائع ہو چکے ہیں۔ خیر آپ کی وہ تحریر بلکہ ساری ہی تحریریں الحمدللہ شائع ہو گئی ہیں کچھ ہو رہی ہیں۔ سلامت رہیے!

☆ شمارہ ۱۱۶۲ کی دستک پڑھی تو مجھے لگا یہ تو ہمارے دلِ غافل پر دستک دی گئی ہے۔ دستک ہوتے ہی دل کے ارمان جاگ اٹھے۔ ارمان ایسے کہ گزشتہ سال کراچی ایکسپو سینٹر کے سالانہ کتب میلے پر آپ سے ملاقات کی سعادت حاصل ہوئی تھی جس میں ہم نے آپ سے ایک چٹ پٹا سا آٹوگراف بھی لیا تھا۔ خوش گپیوں کے دوران ہم نے اپنے ایک سفرنامے کے بارے پوچھا تو آپ کی زبان مبارک سے یہ سن کر ہمارا بجھا ہوا چہرہ کھل اٹھا کہ ایک سال گزرنے کے باوجود وہ آپ کی میز کی زینت بنا ہوا ہے۔ یہ خوش خبری سن کر تو ناامید کے بادل چھٹ گئے تھے کہ بس عنقریب ہمارا سفرنامہ زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر ہمارے محبوب رسالے کی زینت بنے گا اور ہماری گاڑی قلمی شاہراہ پر دوڑ پڑے گی لیکن ایک سال مزید گزرنے پر وہ مایوسی کے خطرات پھر سے منڈلانے لگے ہیں۔ براہِ مہربانی پرانی فائلوں کو ٹٹولیں، اس سے پہلے کہ جبلِ استقامت سے ہم پھسلیں اور صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے کی وجہ سے کسی گم نام وادی میں جا گریں اور ہماری امیدوں کی کرچیاں بکھر جائیں۔ سفرنامہ ’شہرِ قائد میں گزرے چند روز‘ کے عنوان سے معنون تھا۔ ایک اور ’میرا سوہنا شہر‘ کے نام سے موسوم تحریر بھی تھی۔ (محمد ربیعہ بلال۔ رحیم یار خان)

ج: دیکھتے ہیں کہ کہاں جا چھپا ہے ہماری میز سے آپ کا سفرنامہ! ویسے بالکل ممکن ہے کہ آپ کا سفرنامہ بھی چپکے سے کسی سفر پر نکل گیا ہو۔

☆ شمارہ ۱۱۵۹ بقضائے قدر نہ مل سکا۔ شمارہ ۱۱۶۰ کے بارے میں تاثرات حاضر خدمت ہیں۔ سب سے پہلی گزارش تو یہ ہے کہ ۱۶ صفحات کے مختصر سے رسالے میں ایک آدھ صفحہ پر بھول چوک سے مکرر اشاعت (وہ بھی کبھی کبھار) برداشت ہے۔ مگر اکٹھے ۴ صفحات کا بھول چوک کی نذر ہو جانا ناقابلِ برداشت ہے۔ اسی شمارے میں ’میر حجاز‘ کی قسط شمارہ ۱۱۵۶ میں شائع ہو چکی ہے اور ’خدمت ہے کام اپنا‘ بھی ماضی قریب میں شمارے کی زینت بن چکی ہے۔ پچھلے دو ماہ کے اکثر شماروں میں اشاعتِ مکرر سے واسطہ پڑتا رہا، مگر ہم اس کو آپ کی غیبوبت کا اثر سمجھتے رہے۔ مگر آپ کی آمد سے مرض ختم ہونے کی بجائے شدت اختیار کر گیا ہے۔ لگتا ہے سفر کی تھکاوٹ اور کڑواہٹ سے ابھی تک پوری طرح چھٹکارا نہیں ملا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ گوشۂ عافیت میں رکھیں۔ احمر ایاز گلگتی سے گزارش ہے ’الدین کلہ ادب‘ کے حدیث ہونے کا حوالہ عنایت فرما دیں۔ ’قبر میں تر و تازگی‘ کے ساتھ منسلک تصویر مدینہ منورہ کے تاریخی قبرستان ’جنت البقیع‘ کی ہے۔ (ضرار قاسم۔ لاہور)

ج: صرف غیوبت ہی تو عذر نہیں ہوتی، کچھ ’’حاضریاں‘‘ شاید زیادہ کڑوی ہوتی ہیں۔ درگزر کرتے رہا کیجیے کہ ہم مستقل سفر میں ہیں گویا۔

گلی ڈنڈا

گلی ڈنڈا، پنجاب اور برصغیر کے کئی دوسرے علاقوں میں لڑکوں کا کھیل ہے۔ یہ ایک ڈنڈے اور ایک گلی کی مدد سے کھیلا جاتا ہے اور یہ کھلے میدان میں کھیلا جاتا ہے۔ کھلاڑیوں کی تعداد پر کوئی پابندی نہیں۔ اسے کچھ علاقوں میں اٹی ٹلا بھی کہا جاتا ہے۔

ڈنڈا کسی بھی جسامت کا ہو سکتا ہے۔ گلی بھی ڈنڈے کا ایک علیحدہ چھوٹا ٹکڑا ہوتا ہے جس کی لمبائی 9 انچ کے لگ بھگ ہوتی ہے۔ گلی کے دونوں سرے تراشے ہوئے اور نوکدار ہوتے ہیں۔

اس کھیل میں گلی کے نوکدار حصے پر ڈنڈے سے مارا جاتا ہے، گلی اوپر کو اچھلتی ہے، اس اچھلتی ہوئی گلی کو پھر زور سے ڈنڈا مارتے ہیں جس کے نتیجے میں گلی بہت دور چلی جاتی ہے۔ اگر کوئی مخالف کھلاڑی اس گلی کو ہوا میں دبوچ لے یا اسے ایک خاص جگہ پر پھینک دے تو ڈنڈے سے گلی کو مارنے والے لڑکے کی باری چلی جاتی ہے اور اگلے کھلاڑی کی باری آ جاتی ہے۔

گلی ڈنڈا کھیلنے میں اگر اتنا غلو نہ ہو کہ فرائض میں خلل کا باعث ہو، نیز ہار جیت پر جانبین سے پیسوں کی کوئی شرط بھی نہ ہو اور ایسی جگہ کھیلا جائے جہاں کسی کے نقصان کا خطرہ نہ ہو تو اس کے کھیلنے کی گنجائش ہے، تاہم اس سے اجتناب ہی بہتر ہے، کیونکہ گلی لگنے کی صورت میں جسم کے شدید زخمی ہونے کا قوی اندیشہ ہوتا ہے۔

اس کھیل کو کھیلتے ہوئے میری خالہ زاد کی ایک آنکھ ضائع ہو چکی ہے۔ ہوا یوں کہ ایک مرتبہ میرا چھوٹا بھائی اور میرا خالہ زاد بھائی کچھ لڑکوں کے ساتھ گلی ڈنڈا کھیل رہے تھے۔ جب گلی کو اچھالا گیا تو وہ میرے خالہ زاد کی آنکھ کو لگ گئی جس کی وجہ سے آنکھ شدید متاثر ہو گئی۔ فوراً اسپتال لے جایا گیا، کچھ ادویات تجویز ہوئیں، مگر آنکھ ٹھیک نہ ہو سکی، پھر ڈاکٹرز نے آپریشن تجویز کیا مگر آنکھ بچ نہ سکی۔ اس کھیل میں عموماً چوٹ لگتی ہے لہٰذا حتی الامکان کوشش کی جائے کہ باوجود جائز ہونے کے اس کھیل کو کھیلنے سے بچا جائے۔ کیونکہ احتیاط افسوس سے بہتر ہے۔

☆☆☆

عبدالتواب۔ قصبہ کالونی، کراچی

رمضان 2025-1446

راشن وافطاری پیکجز

ماہ مبارک میں اپنے لئے ثواب اور اپنے پیارے مرحومین کیلئے ایصال ثواب کا سامان کیجئے

راشن پیکج

برائے پاکستان

30 روزہ — 15000 روپے

15 روزہ — 7500 روپے

برائے غزہ، فلسطین

65$ یو ایس ڈالر — 18000 روپے

افطاری پیکج

برائے پاکستان

1 افطاری — 300 روپے

برائے غزہ، فلسطین

6$ یو ایس ڈالر — 1500 روپے

نوٹ

پاک ایڈ ویلفیئر ٹرسٹ بینک اکاؤنٹ میں رقم ڈیپازٹ کرنے کے بعد رسید کے حصول اور مد کے تعین کے لیے

+92-3000509840

پر واٹس ایپ یا کال کرکے مطلع فرمائیں۔شکریہ

ٹرسٹ کو دیے جانے والے تمام عطیات انکم ٹیکس سے مستثنیٰ ہیں

PAK AID WELFARE TRUST

ہیڈ آفس: آفس نمبر 4 سیکنڈ فلور، MB سٹی مال پلازہ 8-1 مرکز اسلام آباد — +923000509840

اسلام آباد آفس: چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری، E.D.C بلڈنگ تیسری منزل مووایر یا سیکٹر G-8/1 — +923105332640

اسلام آباد آفس: لوور گراؤنڈ فلور ہال، پلازہ نمبر 136، سوک سینٹر، فیز 4، بحریہ ٹاؤن، اسلام آباد — +923105332633

کراچی آفس: شاپ نمبر 4، پلاٹ نمبر سی 6، سٹریٹ نمبر 10، بدر کمرشل، فیز 5 ایکسٹینشن، ڈیفنس کراچی — +923000509833

کراچی آفس: شاہ ہیون 1/45 میزانائن فلور، مین چورنگی محمد علی سوسائٹی کراچی — +923000509836

لاہور آفس: UG-64 ایڈن ٹاور، مین بلیووارڈ، گلبرگ، لاہور — +923000509838

پشاور آفس: آفس نمبر 1091، بالمقابل جی پی او مرکزی صدر روڈ پشاور کینٹ — +923105332632

راولپنڈی آفس: شاپ نمبر AA 740,741 ہملٹن روڈ، راجہ بازار، راولپنڈی — +923105332631

A/C Title: Pak Aid Welfare Trust A/C No.: 3048301900220720

Bank: FAYSAL BANK Swift code.: FAYSPKKA IBAN: PK28FAYS3048301900220720

+92300-050 9840 | +92300-050 9833 | www.pakaid.org.pk